ستمبر 2021ء

بیاد امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ

جہانِ رضا

لاہور

قادیانیت کے نوکیلے دانت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔محمد کاشف رضا کے قلم سے

مرزا غالب کا عقائد نامہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مرزا اسد اللہ غالب

مترجم: ڈاکٹر ظ۔ انصاری

ڈاکٹر عبد السلام۔۔۔غدارِ وطن یا ہیرو؟۔۔۔۔۔ڈاکٹر احید حسن (لندن)

امام احمد رضا کا پسندیدہ منظوم ''چائے نامہ''۔۔۔۔سید غلام مخدوم مست

جنوبی ایشیا میں اسلامی تاریخ کا سرعنوان سید علی ہجویری۔۔۔۔ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

مفسرین اہلسنت کی عربی تفاسیر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مولانا محمد رضوان طاہر فریدی

چیف ایڈیٹر

محمد کاشف رضا

مرکزی مجلسِ رضا ○ لاہور

امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کا ترجمان، اخلاقی، ادبی، تمدنی جریدہ

ماہنامہ

لاہور

جلد نمبر 28، صفر المظفر، ستمبر 2021، 1443ھ، شمارہ 247

نمبر شمار	عنوانات	زورِ قلم	صفحہ نمبر
1	قادیانیت کے نوکیلے دانت	محمد کاشف رضا کے قلم سے	2
2	مرزا غالب کا عقائد نامہ	مرزا اسد اللہ غالب مترجم: ڈاکٹر ظ۔ انصاری	8
3	ڈاکٹر عبد السلام ۔۔۔ غدار وطن یا ہیرو؟	ڈاکٹر احید حسن (لندن)	24
4	امام احمد رضا کا پسندیدہ منظوم "چائے نامہ"	سید غلام مخدوم مست	42
5	جنوبی ایشیا میں اسلامی تاریخ کا سرعنوان سید علی ہجویری	ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	46
6	مفسرین اہلسنت کی عربی تفاسیر	مولانا محمد رضوان طاہر فریدی	58

قیمت -/50 روپے

خط و کتابت اور ملنے کا پتا

دفتر ماہنامہ جہانِ رضا ظہور پلازہ

دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور

0333-7861895 - 0300-1090045

ادار یہ

قادیانیت کے نوکیلے دانت

مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت سے بہت سال قبل صاحبِ فراست علماء نے اسکی مکاریوں اور دین فروش عادات سے قوم کو آگاہ کر دیا تھا جیسا کہ انجمنِ حمایت اسلام کے ناظمِ تعلیمات مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

''غلام دستگیر ہاشمی حنفی قصوری برادرانِ دینِ اسلام کی خدمت میں اعلان کرتا ہے کہ فقیر ابتداً 1302ھ (1885ء) ہجری مقدسہ سے مرزا غلام احمد قادیانی کو دُنیا پرست اور دین فروش جانتا ہے'' مولانا قصوری کی دُور اندیشی کی تائید قادیان میں کئی سال گزارنے والے جرمنی کے نامور ادیب و ماہر تعلیم ڈاکٹر منیر الدین احمد کی اس تحریر سے ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی خودنوشت ''ڈھلتے سائے'' میں لکھی ہے کہ ''بہشتی مقبرہ مرزا غلام احمد کے ایک خاندانی قطعہ اراضی میں بنایا گیا تھا جہاں پر آس پاس آموں کے باغ تھے۔ اس اسکیم کا مقصد صدرِ انجمنِ احمدیہ کیلئے مستقل جائیداد پیدا کرنا تھا، جس میں کچھ ایسی زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ اس اسکیم کا اجراء 1905 میں ہوا تھا۔ جب مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک رسالہ بنامی ''الوصیت'' شائع کیا''

مرزا کی زندگی میں علماء وصوفیہ نے کبھی اسکو اہمیت نہیں دی جبکہ وہ دعویٰ نبوت کی طرف ابھی بڑھ رہا تھا۔ میرے سامنے سراج الحق قادیانی کا ایک سفرنامہ ہے جو 1915 میں دہلی سے ''تذکرۃ المہدی'' کے نام سے شائع ہوا۔ قادیانی سفرنامہ نگار لکھتا ہے کہ ''حضرت اقدس علیہ السلام نے کتاب'' ''براہینِ احمدیہ'' تونسہ میں

اللہ بخش صاحب کو روانہ کی تھی۔انہوں نے کتاب پھاڑ کر ڈاک میں واپس بھیج دی تھی اور اُس کتاب کے کسی گوشہ پر لکھا تھا کہ ہمیں کسی مجدد اور کسی کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔ہمیں ہمارے بزرگوں کے ملفوظات کافی ہیں''۔یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا ظفر علی خان ''روزنامہ ستارہ صبح'' اور مولانا غلام رسول مہر روزنامہ انقلاب میں حکیم نورالدین قادیانی اور محمد علی لاہوری قادیانی کے مضامین، اشتہار اور خبریں شائع کرتے تھے۔

قادیانی جماعت نے 6 ستمبر 2018ء کو ''یوم دفاع وشہداء پاکستان'' کے عنوان سے نوائے وقت اخبار میں ایک اشتہار شائع کروایا جس میں قادیانی افسران کی تصاویر کے نیچے انکے ناموں کے ساتھ ''شہید'' بھی لکھا گیا۔ ان قادیانیوں میں میجر جنرل افتخار جنجوعہ، میجر منیر احمد، کیپٹن فقر اللہ، کیپٹن نذیر احمد، لیفٹیننٹ محمود اختر وغیرہ کے ناموں کے ساتھ شہید کا لفظ لکھا گیا اور جنرل اختر حسین ملک، جنرل عبدالعلی ملک وغیرہ کیلئے انہوں نے احمدی سپوت اور ''غازیان'' کا لفظ لکھا۔افواجِ پاکستان کا ماٹو تو ایمان، تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ ہے، قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ساری عمر جہاد کو حرام کہا۔مرزا قادیانی کا اپنا بیان ہے کہ ''میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنتِ انگریزی کی تائید وحمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعتِ جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں'' (تریاق القلوب) قادیانی جماعت کے اشتہار میں ایک نام جنرل عبدالعلی ملک کا بھی ہے۔ جنرل عبدالعلی کی بہادری کے بارے میں مشہور دفاعی تجزیہ نگار ومصنف، میجر امیر افضل مرحوم نے لکھا ہے کہ ''مئی 1948ء میں نوشہرہ کے جنوب کی دو اہم ''ریچھ'' اور ''مینڈک'' پہاڑیوں

کے دفاعی پوزیشن کرنل (بعد میں بریگیڈیئر) وحید حیدر قادیانی کے ماتحت تھے۔ اس نے وہاں خاص چناؤ کر کے یہ ذمہ داری میجر عبدالعلی ملک قادیانی کو دی۔عین ان دنوں یعنی جون 1948ء کے آخر میں جب یہ علاقے وحید حیدر کی بجائے کرنل (بعد میں میجر جنرل) سرفراز کی ذمہ داری میں جا رہے تھے تو عبدالعلی نے یہ پوزیشنیں بغیر لڑے چھوڑ دیں اور دو دن بعد بھارتیوں نے وہاں قبضہ کر لیا۔ (اصولی طور پر عبدالعلی کا کورٹ مارشل ہونا چاہئے تھا۔لیکن ستمبر 65اور دسمبر 71 میں کئی اورغداریوں کے باوجود یہ عبدالعلی لیفٹیننٹ جنرل کے عہدہ تک پہنچا''۔دوسرے جنرل اختر ملک کے بارے جناب میجر امیر افضل نے لکھا ہے کہ ''قادیانی بھی مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے الگ کرنا چاہتے تھے اور اختر ملک کو ہیرو بنا کر بری فوج کا سربراہ بنانا چاہتے تھے تاکہ پاکستان میں قادیانی اسلام نافذ ہو جائے۔چنانچہ 1964ء میں سب ''تیاریاں'' مکمل ہوگئیں اور اس عاجز نے اپنی آنکھوں سے اختر ملک کو دیکھا کہ مری کے صدر ہاؤس میں اس نے ایوب کے ساتھ تین گھنٹے کی ملاقات کی اور اس کو خوب بے وقوف بنایا۔اسی دوران صدارتی الیکشن آ گئے اور مس فاطمہ جناح نے ایک دفعہ تو صدر ہاؤس کو ہلا کر رکھ دیا''۔7 ستمبر کو نوائے وقت میں ''اعتذار'' کے عنوان سے ایک اشتہار شائع ہوا کہ

''6 ستمبر 2018ء کے ہمارے روزنامہ نوائے وقت میں جماعت احمدیہ پاکستان کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا ہے۔اشتہار دینے والی پارٹی نے دھوکہ دہی سے یہ الفاظ و اعزاز استعمال کر کے قادیانیوں کو بالواسطہ مسلمان ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے اور قادیانی جماعت کے وہ افراد جنہوں نے وطن عزیز پاکستان کے لئے خدمات سرانجام دیں اس اشتہار میں انہیں غازی یا شہید کا خطاب دیا جس کی کسی طرح سے تائیدنہیں کی جاسکتی۔ہمارے اس غیر ارادی سہو پر

اسلامیان وطن، بہی خواہان ملک وملت کو جو ذہنی صدمہ ہوا۔ اس پر ہم اللہ رب العزت کے حضور برملا معافی کے طلبگار ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت ہم سب پاکستانیوں کو ملک کی بے لوث ہر قسم کی خدمت کرنے اور استحکام کیلئے گرانقدر خدمات سرانجام دینے کی توفیق بخشے اور ایک محب وطن قوم کی طرح آئین کی پاسداری اور سربلندی کیلئے کام کرنے کا دل وجان سے جذبہ نصیب فرمائے۔ آمین! ادارہ''۔

پھر کمال چابکدستی سے بلال وڑائچ نامہ نگار نوائے وقت چناب نگر کا ''اعلانِ برطرفی''، صفحہ نمبر 2 پر شائع کیا'' کہ بلال وڑائچ نامہ نگار ''نوائے وقت'' چناب نگر کو فوری طور پر برطرف کیا جاتا ہے۔ آئندہ اس کا ادارہ کے ساتھ کوئی تعلق واسطہ نہ ہے۔ اس کے ساتھ لین دین کرنے والا خود ذمہ دار ہوگا''۔ اطلاع کے لئے عرض ہے کہ نوائے وقت میں اس سے قبل بھی قادیانیوں کے اشتہارات شائع ہوتے رہے ہیں۔ انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام لاہور کا اشتہار نوائے وقت میں 13 جون 1974ء میں شائع ہوا۔ پھر امیر جماعتِ احمدیہ لاہور کی طرف سے ''جماعتِ احمدیہ لاہور کے عقائد'' کے نام سے 26 جون 1974ء کو شائع ہوا۔ 11 جون کو لاہوری مرزائیوں کی انجمن اشاعت الاسلام کے سیکرٹری کی جانب سے ایک اشتہار بہ عنوان ''حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے عقائد انکی اپنی تحریرات کی رُو سے'' شائع کیا گیا۔ فکری خارش زدہ اہل صحافت، درپردہ قادیانیوں سے مالِ حرام کھانے والے کالم نگار اور دین کو نجی معاملہ کہہ کر ''رشتے داریاں'' نبھانے والے دانشور اپنا ریکارڈ درست کرلیں۔ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب 1953ء کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ''لاہور میں اہم اخبارات یہ ہیں: ''پاکستان ٹائمز''، ''سول اینڈ ملٹری گزٹ''، ''نوائے وقت''، ''امروز''، ''زمیندار''، ''احسان''، ''مغربی

پاکستان‘‘، ’’آفاق‘‘ جماعت اسلامی کا اخبار ’’تسنیم‘‘ اور احرار کا اخبار ’’آزاد‘‘۔ان میں سے پہلے چار اخباروں نے احمدی غیر احمدی مناقشے میں کوئی حصہ نہیں لیا‘‘۔اگر پھر بھی کوئی ناسمجھ وضدی شخص تحریک ختم نبوت کا کریڈٹ ’’نوائے وقت‘‘ کے کھاتے میں ڈالے تو ایسے شخص اور اس کے بدنصیب حامیوں کے لئے دعا ہی کی جاسکتی ہے۔

میڈیا پر جدیدیت کے نام نہاد ٹھیکیدار، روشن خیال کالم نگار اور سوشل میڈیا پر مختلف پیجز بنائے اسلامی قوانین کی خودساختہ تشریح، اجتہاد کے نام پر گمراہ کن فکری تعبیریں کرنے والے تحریکِ ایمان سوز کا حصہ ہیں۔قومی اسمبلی میں حلف نامے کی تبدیلی جس پر سیاسی و دینی جماعتوں کے ارکان نے دستخط کیے۔ حلف نامے کی تبدیلی پر ملک میں کہرام مچ گیا۔فیض آباد دھرنا 22 دن رہا۔ وزیر قانون زاہد حامد نے استعفیٰ دیا۔ حلف نامے کی تبدیلی کے اصل مجرموں کی تلاش کے لئے ایک کمیٹی راجا ظفر الحق کی سربراہی میں قائم کی گئی۔ راجا ظفر الحق نے رپورٹ پیش کر دی مگر اسے اوپن نہیں کیا گیا۔ اب اسلام آباد ہائی کورٹ نے حکم جاری کیا ہے کہ اس رپورٹ کو پبلک کیا جائے اپنے تفصیلی فیصلے میں جسٹس شوکت عزیز صدیقی نے لکھا ہے کہ ’’ختمِ نبوت والے معاملے پر ارکان پارلیمنٹ کی اکثریت اس مسئلے کو اہمیت دینے میں ناکام رہی ہے‘‘ راجا ظفر الحق رپورٹ کے مطابق مسلم لیگ (ن) کی ایم این اے انوشہ رحمٰن اور تحریک انصاف کے ایم این اے شفقت محمود نے بل کو ری ڈرافت کیا۔ انوشہ رحمٰن کو فارم کا مسودہ نظرثانی کے لئے دیا گیا۔ کمیٹی کے اگلے اجلاس میں انوشہ رحمٰن نے نظرثانی شدہ فارم پیش کیا۔ نظرثانی شدہ فارم کو جانچ پڑتال کی ہدایت کے ساتھ منظور کیا گیا۔

ایک رپورٹر کے مطابق ’’راجا ظفر الحق کمیٹی رپورٹ میں سابق وزیر قانون زاہد حامد کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا گیا ہے۔ تاہم اس رپورٹ میں یہ لکھا ہے کہ سابق

وزیر قانون نے اس بات کا اقرار کیا کہ یہ چیک کرنا ان کی ذمہ دار تھی کہ مسودے میں کوئی متنازع بات ہے یا نہیں، اس لئے یہ اُن کی ناکامی تھی کہ انہوں نے اس کا نوٹس نہیں لیا''۔

یاد رہے''سانحہ ربوہ'' کی تحقیقی رپورٹ 20 اگست 1974ء کو جسٹس صمدانی نے اس دور کے وزیر اعلیٰ حنیف رامے کو جمع کرادی تھی جو آج تک پبلک نہیں ہوسکی۔ حالانکہ لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس اعجاز احمد چوہدری نے 21 مئی 2010ء کو اپنے فیصلے میں اسے پبلک کرنے کا حکم دیا ہوا ہے۔

قیامِ پاکستان سے لے کر آج تلک، قادیانیت کی خُون آشام بلا، پاکستان کے جسم پر اپنے نوکیلے دانت گاڑھے ہوئے ہے۔ اسکے خُونخوار بھیانک چہرے پر اس خون کی سرخی کبھی 1953ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں اور کبھی''سانحہ ربوہ'' 1974ء میں نمایاں نظر آئی۔ ختمِ نبوت کے یہ ڈاکو سازشوں کے جال بچھا کر پاکستان کی سالمیت کو ریزہ ریزہ کرنے کے درپے ہیں۔ سازش وعیاری ان کی رگ جاں میں لہو کی طرح دوڑتی ہے۔ سکول کے ٹیچر سے لے کر ایوانِ اقتدار تک سب جگہ ان کے گماشتے موجود ہیں، جو ایمان کی لُوٹ مار میں صبح وشام مصروف ہیں۔ قادیانیت کے نوکیلے دانت امت کے جسم میں پیوست ہو کر اس کا خون بہا رہے ہیں سوال یہ ہے کہ محافظانِ ختمِ نبوت کہاں ہیں؟

❁❁❁

مرزا غالب کا عقائد نامہ

مثنوی۔۔ بیانِ نموداری شانِ نبوت و ولایت

که در حقیقت پرتو نورالانوار حضرت اُلوہیت ست

مترجم: ڈاکٹر ظ۔ انصاری

بعد حمد ایزد و نعت رسول مینگارم نکتہ چند از اصول	خدا کی تعریف اور رسول خدا کی نعت کے بعد میں کچھ اصول دین کے نکتے لکھتا ہوں۔
تا سوادش بخشد اندر رسم و راہ دیدہ در را سُرمہ اعمیٰ را نگاہ	تا کہ ان کی عبارت (سیاہی تحریر) دین و مذہب میں صاحب نظر کو سرمہ اور نابینا کو بینائی عطا کرے۔
حق بود حق، کآمد از نورش پدید آسمان ہا وزمین ہا را کلید	اُس (خدا) کے نور سے جو نور ظاہر ہوا وہ حق ہے، وہ زمینوں اور آسمانوں کی کنجی ہے۔
نورِ محض و اصل ہستی ذات اوست ہر چہ جز حق بینی از آیات اوست	نورِ محض اور موجودات کی اصل اسی (پیدا کرنے والے) کی ذات ہے، حق کے سوا (ماسوا اللہ) جو تمہیں نظر آتا ہے وہ اس کی نشانیوں میں سے ہے۔
تا بخلوت گاہ غیب الغیب بود حسن را اندیشہ سر در جیب بود	جس وقت تک حُسن (ازلی) غیب الغیب کی تنہائی میں رہا تب تک اسے ایک خیال تھا۔
صورت فکر ایں کہ باری چوں کند تا ز جیب غیب سر بیروں کند	فکر اس بات کی کہ وہ کس طرح غیب کے پردے سے ظہور میں آئے۔

جلوہ کرد از خویش ہم برخویشتن داد خلوت رافروغ انجمن	چناں چہ اس نے اپنا جلوہ اپنے اوپر ہی کیا اور یوں خلوت کو جلوت کی رونق عطا کر دی۔
جلوہ اول کہ حق برخویش کرد مشعل از نورِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیش کرد	حق نے اپنے اوپر، جو پہلا جلوہ کیا تو محمد کے نور کی مشعل سامنے رکھ دی۔
شد عیان زان نور در بزم ظہور ہر چہ پنہاں بود از نزدیک و دُور	اس نور کی مشعل سے جو کچھ عالم ظہور میں دور و نزدیک تھا وہ عیاں ہو گیا۔
ہمچوآن ذرات کاندر تاب مہر از نقاب غیب بہ نمایند چہر	مثل ان ذرّوں کے جو سورج کی روشنی پڑتے ہی غیب کی نقاب الٹ کر صورت دکھانے لگتے ہیں۔
مہر برذات پر تو افگنست عالم از تاب یک اختر روشنست	سورج ذروں پر عکس ڈالتا ہے تو ساری دنیا ایک ستارے (آفتاب) کی بدولت روشن ہے۔
نورحقست احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ولمعانِ نور از نبی در اولیا دارد ظہور	احمد خدا کا نور ہے، اور نبی سے ولیوں میں نور کی چھوٹ پڑتی ہے۔
ہر ولی پر تو پذیرست از نبی چوں مہ از خود مستیز ست از نبی	ہر ایک ولی کو نبی سے شعاعیں پہنچتی ہیں، جس طرح سورج سے چاند روشنی لیتا ہے اسی طرح نبی سے ولی روشنی پاتے ہیں۔
جلوہ حسن ازل مستور نیست لیک اعمیٰ را نصیب از نور نیست	نور الٰہی کا جلوہ چھپا ہوا نہیں ہے لیکن نابینا کو نہیں سوجھتا
از نبی واز ولی خواہی مدد -----۔ پنداری کہ ناجائز بود	نبی اور ولی سے مدد چاہئے تو ہر گز یہ نہ سمجھ لینا کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔

بر نیاید کار بی فرمان شاہ لیک آئینہاست با خاصان شاہ	اگرچہ بادشاہ کے کم کے بغیر کام نہیں بنتا تاہم بادشاہ کے خواص ہی آئین یا (قوانین مشیّت) جانتے ہیں۔
ہر کہ اور انور حق نیرو فزاست ہر چہ از وی خواستی ہم از خداست	وہ جس کو نور حق قوت پہنچاتا ہے اس سے جو کچھ دعا کرو وہ خدا سے دعا ہے۔
برلب دریا اگر آبی خوردہ آب از موجی بجام آوردہ	اگر دریا کنارے پانی پیو تو یہ پانی موج سے ہوکر ہی جام میں آئے گا۔
آب از موج آید اندر جام تو لیکن از دریا بود آشام تو	تمہارے جام میں پانی موج سے آئے گا لیکن جو کچھ پیو گے وہ دریا ہی کا پانی ہے۔
وقت حاجت ہر کہ گوید یا علی باحقش کارست و پوزش با علی	حاجت میں اگر کوئی علی کو پکارتا ہے تو اس کا معاملہ خدا سے ہے اور خطاب علی سے۔
یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جان فزاید گفتنش یا علیؑ مشکل کشاید گفتنش	جب اس کی زبان پر "یا محمدؐ" آتا ہے تو اس کی جان میں جان آجاتی ہے اور یا علی کہنے سے مشکل آسان ہوجاتی ہے۔
چوں امانت خواہی از یزدان پاک یا معین الدین اگر گوئی چہ پاک	اگر خدائے پاک سے مدد چاہنے میں تمہاری زبان پر "یا معین الدین" (خواجہ اجمیر) آجاتا ہے تو اس میں کیا ہرج ہے؟
ابلہان را زانکہ دانش نارساست گفتگو ہا برسر حرف نداست	بے وقوفوں کی عقل چوں کہ کوتاہ ہوتی ہے اس لئے وہ پکارنے کے لفظ پر بحث کرتے ہیں (یعنی یا محمد اور یا علی کہنے پر معترض ہیں)

مولوی معنوی عبدالعزیز واں رفیع الدین دانشمند نیز	شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین جیسے دانش مند نے (ان کے بعد) شاہ عبدالقادر
شاہ عبدالقادر دانش سگال کایں دوتن را بود در گوہر ہمال	جیسے صاحب عقل و ہوش نے جن دونوں کی اصل ایک تھی (یعنی دونوں شاہ ولی اللہ کے فرزند تھے) نبی اور اولیاء اللہ کا
بُردنِ نام نبی و اولیا خود روا گفتند با حرف ندا	نام پکارنا یعنی انہیں حرف ندا سے خطاب کرنا جائز قرار دیا ہے۔
وان دگر فرزانہ قدسی سرشت رہنمائے مسلک پیران چشت	پھر وہ فرشتہ سیرت مرد دانا یعنی چشتیہ سلسلے کے بزرگ گزرے ہیں، جو اپنے زمانے کے شیخ
آنکہ شیخ وقت و خضر راہ بود نام و الایش کلیم اللہ بود	اور رہنمائے اعظم تھے، جن کا نام نامی شیخ کلیم اللہ تھا۔
گفت: استمداد از پیران رواست ہرچہ پیر راہ گوید آن رداست	انہوں نے کہا کہ پیروں اور بزرگوں سے مدد طلب کرنا جائز ہے، پیر طریقت جو کہہ دے وہ صحیح ہے۔
کی غلط گوید چنیں روشن ضمیر خردہ برقول کلیم اللہ مگیر	وہ (کلیم اللہ جیسا) روشن دل بزرگ غلط کیسے کہہ دے گا، ان کے قول پر نکتہ چینی مت کرو۔
ہمچنیں شیخ المشائخ فخر دین آفتاب عالم علم و یقین	اسی طرح روحانی بزرگوں کے بزرگ مولانا فخر الدین جو علم اور یقین کی دنیا کو زندگی دینے والے ہیں، یہی طریق رکھتے تھے۔
ہمبرین ہنجار و آئین بودہ است شیخ ما حق گوی و حق بین بودہ است	ہمارے پیر و مرشد حق بات کہنے اور حق دیکھنے والے آدمی ہیں۔

تانہ پنداری زپیران خواستیم حاجت خود راز یزدان خواستیم	یہ مت سمجھ لینا کہ ہم پیروں سے دعا کرتے ہیں، ہم تو اپنی ضرورت خدا کے پاس لے جاتے ہیں۔
لیک درپوزش بدر گاہ رفیع ماہمی آریم پیران را شفیع	لیکن خدا کے دربار میں عُذر وانکار کرتے وقت ہم ان پیروں کی سفارش چاہتے ہیں۔
ایں چنی پوزش روا نبود چرا بحث با عارف خطا نبود چرا	یہ عذر یا وسیلہ طلبی جائز کیوں نہ ہوگی، خدا کی معرفت رکھنے والے سے بحث کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟
ورسخن در مولد پیغمبرست بزمگاہ دلکش و جان پرورست	اور اگر میلاد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کلام ہے تو وہ ایک دل کش اور روح پرور بزم ہے۔
خود حدیث از سرور دین میرود میرود وانگہ بآئین میرود	خود رسول اللہ کی حدیث ہے اور حدیث ضوابط روایت کے مطابق ہے۔
سعی مامشکور و نقد ما روا چیست آن کان را شماری نا روا	ہماری کوشش قابل قبول اور ہمارا نقد عمل کھرا ہے۔ اب تم کس بات کو ناجائز قرار دیتے ہو؟
نکہت موی مبارک جانفزاست بارگ جانش ہمی پیوند ہاست	(رسول اللہ کے) مبارک بال کی مہک جانفزا ہے، اُن کی رگ جاں سے اس کے گہرے رشتے ہیں۔
برتن نیکوتر از جان رستہ است لاجرم از آب حیوان رستہ است	(رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بال) ایسے جسم پر اگے جو روح سے زیادلطیف تھا، لازم بات ہے کہ آب حیات سے اس کی آبیاری ہوئی ہے۔

شعر	ترجمہ
دلنشین مابود زان روی موی وہ کہ گرداند کسی زاں روی موی	اسی لئے موئے مبارک ہمارے دل میں جگہ رکھتے ہیں، افسوس اس پر جو کوئی اس سے رو گردانی کرے۔
ہر کرا دل ہست و ایمان نیز ہم چوں نورزد عشق با ''نقشِ قدم''	جس کے (سینے میں) دل ہے اور ایمان بھی ہے وہ (رسول کے) نقشِ قدم سے عشق کیوں نہ کرے گا!
در رہِ دین تا قدم بہ نہادہ اند عشق بازان رانشا نہا دادہ اند	(رسول سے) عشق کرنے والوں نے دین کی راہ میں قدم رکھا تو ان کی نشانیاں دی گئیں۔
بر داز خویشم دوصد فرہنگ رشک می برم زین نقش پا بر سنگ رشک	نشانِ قدم دیکھ کر مجھے اس پتھر پر اتنا رشک آتا ہے کہ اپنے وجود سے دوسو کوس دور ہو جاتا ہوں (یعنی اس رشک میں کہ بجائے اس کے میرے اوپر نقش کیوں ن ہوا، اپنی ذات سے ایسا تنفر ہوتا ہے کہ اس سے دوسو فرسنگ کی دوری ہوتی ہے۔
نقش پائی کایں چنیں افتادہ است اہل دل را دلنشیں افتادہ است	یہ نقشِ قدم جو (پتھر پر) اس طرح بنا ہوا ہے، اہل دل کے دل نشین ہے۔
کہ نشیند در دل آں بدگہر کش ولی از سنگ باشد سخت تر	لیکن اس بدذات کے دل میں یہ نقش کیسے جگہ بنائے جس کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہے۔
بوی پیراہن بِمصر آرد صبا دیدہ یعقوب زو یابد جلا	ہوا مصر سے (یوسف کے) پیرہن کی خوشبو اڑا کر لائی تو یعقوب کی آنکھوں میں نور دوڑ گیا۔
بر ردا و پیرہن کز مصطفیٰ است جان نیفشاندن زامت کی رواست	مصطفٰے کے چادر اور کرتے پر، (جس میں ان کے بدن کی خوشبو ہو) امت کیسے جان نثار نہ کرے!

در عرب بودست منعم زادہ قیس نامی دل بہ لیلیٰ دادہَ	عرب میں قیس نام کا ایک رئیس زادہ تھا، جس نے لیلاٰ کو دل دے دیا۔
برسگی کز کوچہ لیلاستی قیس از خویشش فزدنتر خواستی	لیلیٰ کی گلی کے کتے کو وہ اپنے آپ سے بہتر سمجھتا تھا۔
میتوانی گفت ہان ای تن پرست پیر کنعان بود پیراہن پرست	اے ظاہر پرست، کیا تم کہہ سکتے ہو کہ کنعاں کے بزرگ (یعقوب) پیراہن کی پرستش کرتے تھے؟
یاتوان گفتن کہ خود چون بودہ است سگ پرستی کیش مجنوں بودہ است	کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ خود مجنوں ایسا تھا کہ سگ پرستی اس کا ایمان بن گئی؟
''حاش للہ! کایں چنین باشد نورد رفت از حد سوئی ظن کافر نکرد	توبہ توبہ، کہیں یہ راہ (راست) ہو سکتی ہے، ایسا حد سے گزرا گمان تو کافر نے بھی نہیں کیا۔
عشق گر با پیرہن در با رداست نیست بہر جامہ از بہر خداست	اگر کرتے اور چادر سے عشق ہے تو یہ کوئی لباس کی وجہ سے نہیں بلکہ خدا کی وجہ سے ہے۔
حق فرستادست بہر ما رسول کردہ ایم از بہر حق دینش قبول	خدا نے ہمارے لئے رسول بھیجا اور ہم نے خدا کے لئے اس کا دین قبول کیا۔
گر بسوی خواجہ رو آریم مَا دوست از بہر حقش داریم مَا	اگر ہم خواجہ (سردارِ دین) کی طرف رُخ کرتے ہیں تو خدا کی وجہ سے ہی ان سے محبت کرتے ہیں۔
چون نہ گردد طالب دیدار دوست شاد از نظارہَ آثار دوست	اپنے محبوب کی نشانیوں کو دیکھ کر محبوب کے دیدار کا طالب کیوں نہ شاد ہو۔

ایکہ بُردی بہرہ از خوانِ نبی بردہَ از یاد احسان نبی	تم نے تو نبی کے خوانِ کرم سے فیض اٹھایا ہے۔ پھر بھی ان کا احسان بھلا دیا۔
آمد و آورد پیغام از خدا ''لوحش اللہ'' مرحبا نامِ خدا	نبی آیا اور خدا کی طرف سے پیام لایا، آفریں، اُس کی آمد خوش کن، چشم بداُس سے دُور۔
جادہَ راہی نمایان کرد و رفت راہ رفتن بر تو آسان کرد رفت	نبی نے (ایمان کا) راستہ دکھایا اور رخصت ہو گیا۔ سفر کی راہ تم پر آسان کر کے گزر گیا۔ (مذہب کا لفظی ترجمہ: راہِ سفر)
چون تو کی از ناسپا سانیم مَا پیرو ایزد شناسا نیم مَا	تمہاری طرح ہم کب ناشکرے ہیں۔ ہم تو عارفانِ خدا کی پیروی کرتے ہیں۔
حق پرستان جملہ این راہ رفتہ اند زان کہ با دلہای آ گہ رفتہ اند	سارے خدا پرست اس راہ پر چلے ہیں اور وہ اس لئے چلے کہ ان کے پاس حقیقت آشنا دل تھا۔
اصل ایمانست طرز خاص مَا خالصاً للہ بود اخلاص مَا	ہمارا خاص شیوہ ایمان کی اصل بنیاد ہے۔ ہمارا اخلاص محض اللہ کے لئے ہوتا ہے۔
عرس و این شمع و چراغ افروختن عود در مجمر بر آتش سوختن	اگر (دینی بزرگوں کا) عرس منایا جاتا ہے، چراغاں ہوتا ہے، شمعیں روشن کی جاتی ہیں، انگیٹھی میں خوشبوئیں جلاتے ہیں۔
جمع گشتن در یکے ایوان ہمی پنج آیت خواندن از قرآن ہمی	ایک مقام پر لوگ جمع ہوتے ہیں اور قرآن کی پانچ آیتیں پڑھتے ہیں، روٹی مانگنے والوں کو روٹی دی جاتی ہے۔
نان بنان خواہندگان دادن دِگر مردہ را رحمت فرستا دن دگر	اور اپنے مُردوں کی روح کو ثواب پہنچایا جاتا ہے تو یہ سب خدا کے پسندیدہ بندوں کی

گر پی ترویح روح اولیاست درحقیقت آنہم از بہر خداست	روحوں کوثواب پہنچانے کیلئے سہی لیکن دراصل خداکے لئے (خداکی راہ میں) کیا جاتا ہے۔
اولیا را گر گرامی داشتیم نزپئی رومی و شامی داشتیم	اگر ہم اولیا کوعزیز رکھتے ہیں تو ان کے رومی و شامی ہونے کے سبب نہیں بلکہ وہ اس لئے (عزیز ہیں)
از برای آنکہ این آزادگان از رہ حق جان بجانان دادگان	کہ ان آزاد انسانوں نے راہ راست پر چل کر اپنے محبوب پر جان قربان کردی۔
از شہود حق طرازی واشتند با خدای خویش رازی داشتند	وہ مشاہدہ حق کا طریقہ جانتے تھے، اور اپنے خدا سے راز و نیاز رکھتے تھے۔
نورِ چشم آفرینش بودہ اند شمع روشن سازبینش بودہ اند	یہ لوگ عالم موجودات کی آنکھ کا نور تھے جنہوں نے بصیرت کی شمع روشن کردی۔
حق پرستانرا بباطل کارنیست محو لیلیٰ رابہ محمل کارنیست	حق کے ماننے والوں کو باطل سے کیا کام! جو لیلیٰ پر مٹا ہوا ہو، اسے محمل سے واسطہ نہیں ہوتا۔
گر نہ از لیلیٰ بود دیدار جوی کی بہ محمل آورد دیوانہ روی	اگر عشق کے دیوانے کو لیلےٰ کے دیدار کی تمنا نہ ہوتی تو وہ محمل کی طرف رخ نہ کرتا۔
گرچہ بالیلیست حرف از جان زدن لیک برمحمل لکدنتوان زدن	اگر چہ وہ لیلیٰ کے ساتھ اپنی جان کی بات کرنا چاہتا ہے تاہم محمل کو لات نہ مارے گا (کیوں کہ اس کو لیلیٰ سے علاقہ ہے)
آن ولی در یادحق مستغرقست عین حق گرنیست خود محو حقست	خدا کا ولی جو خدا کی یاد میں ڈوبا ہوا ہے وہ بذات خود حق (خدا) نہ سہی، تاہم حق میں محو تو ہے۔

حق بود پیدا نہاں دیگر چہ ماند چون ولی رفت ازمیان دیگر چہ ماند	جب ولی ذات حق میں محو ہوا اور جو کچھ بھی ظہور میں ہے وہ حق ہے تو اب باقی کیا رہا۔ (سوائے حق کے)؟
خیز تا حدِ ادب داری نگاہ بی ادب را بردم تیغ ست راہ	اٹھو، ہوشیار ہو تا کہ ادب کا پاس رہے، بے ادب کا راستہ تلوار کی دھار پر ہوتا ہے۔
با ولی آویختی دیوانہ یا برآتش ریختی پروانہ	(اللہ کے) ولی سے الجھے ہو، دیوانے ہوئے ہو، یا پروانے ہو کر آگ پر گرتے ہو۔
نیستی عارف کہ گویم خود مباش بدمبیں و بد مگوی و بدمباش	تم عارف خدا نہیں ہو کہ تم سے خودی مٹانے کو کہوں (البتہ) برا نہ دیکھو، برا نہ کہو، برے نہ بنو۔
بد شمردی رہروان پیش را رہرو چالاک گفتی خویش را	اگلوں کو تم نے بُرا سمجھا اور خود کو (شریعت کی راہ کا) بڑا ہوشیار مسافر کہا۔
گر سفر اینست منزلگہ کجاست ''لا الٰہ'' گفتی والا اللہ کجاست	اگر (تمہارا) سفر یہی ہے تو پھر منزل کہاں ہو گی۔ اللہ کے سوا سب کی نفی کر چکے تو اللہ کا اثبات کہاں ہے؟
ہست رسم خاص در ہر مرز بوم خود چہ میخواہی زنفی ایں رسوم	ہر ایک سرزمین کی رسم ریت ہوتی ہے، ان رسموں کے انکار سے تمہارا منشا کیا ہے؟
نفی رسم کفر ما ہم می کنیم داد با دانش فراہم می کنیم	ہم بھی کفر کی رسم سے انکار کرتے ہیں، عقل و انصاف کا شیوہ اختیار کرتے ہیں۔
نفی کفر آئین ارباب صفاست نفی فیض ای تیرہ دل رسم کجاست	کفر سے انکار کرنا پاکیزہ لوگوں کا دستور ہے، لیکن اے سیاہ باطن لوگو (یہ تو بتاؤ) فیض سے انکار کرنا کہاں کی رسم ہے؟

نفی رسم و رہ ہوا را می کشد نفی فیضست اینکہ مارا می کشد	ریت رسم کا انکار خواہش نفسانی کو مارتا ہے مگر جو فیض پہنچتا ہے اس سے انکار ہم کو مار ڈالتا ہے۔
ای گرفتارخم و پیچ خیال نفی بی اثبات نبود جز ضلال	خیالات کی بُھول بُھلیوں میں پھنسنے والے، یہ محض گمراہی ہے کہ انکار تو ہو مگر اس کے ساتھ اقرار نہ ہو۔
ور تو گوئی "میکنم اثبات حق" از چہ روئی منکر آیات حق	اور اگر تم کہو کہ میں حق کا اثبات کرتا ہوں، تو پھر خدا کی نشانیوں (یعنی اولیا) سے انکار کیوں کرتے ہو؟
دانم از انکار انکار آوری پیچشی در زلف گفتار آوری	مجھے معلوم ہے کہ تم انکار سے انکار کرتے ہو اور بیان کی زلف کو (خواہ مخواہ) الجھاتے ہو۔
منکر اثبات گوئی نیستم من حریف ایں دور روئی نیستم	تم کہتے ہو کہ میں (حق کے) اثبات کا منکر نہیں ہوں، مگر میں اس دورُخی کو نہیں مانتا۔
اولیا خاصان شاہی نیستند یعنی آیات الٰہی نیستند	(اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو) اولیا اللہ خاصان خدا نہ ہوئے اور اللہ کی نشانیاں ان س ظاہر نہیں ہوتیں۔
معجزات انبیا آیات کیست دین صفتہا راظہور از ذات کیست	(تو پھر) نبیوں سے معجزے ظاہر ہوئے وہ کس کی نشانیاں ہیں اور یہ صفات کس کی ذات کی بدولت پائی جاتی ہیں؟
این و آن راہ ہرزہ انگاری ہمی تاچہ از ہر در نظر داری ہمی	تم اس سے بھی انکار کرتے ہو اور اس سے بھی (یعنی اولیا سے) تو پھر حق سے تمہاری کیا مراد ہے (کیونکہ ان اولیا کی ہستی عین ذات حق ہے)

چوں ترا انکار تا این غایتست آنچہ پزرفتی کدامی آیتست	جب تمہارا انکار اس حد کو پہنچا ہوا ہے تو پھر وہ کون سی آیت (نشانی) ہے جو تم نے قبول کی؟
من نہ بد گفتم و گر گفتم مرنج تو کرابد گفتہ در دل بسنج	میں نے کوئی بُری بات نہیں کہی اور اگر کہہ دی ہو تو بُرا مت ماننا، ذرا اپنے دل میں سوچو کہ تم نے کس کو بُرا کہا۔
خواجہ دنیا و دین را منکری زمرۂ اہل یقین را منکری	تم تو دین و دنیا کے آقا سے انکار کرتے ہو، جن ہستیوں کو یقین کا مرتبہ حاصل ہے ان کے منکر ہو۔
با دل رنجیدۂ از کینہ پاک منکری را گر بوم منکر چہ باک	دکھے ہوئے دل کے ساتھ جس میں کینہ نہیں ہے، اگر میں منکروں کا انکار کروں تو کیا ہرج ہے!
درد دل در نظم گفتن نیست بحث من کہ رندم شیوۂ من نیست بحث	شعر میں اپنے دل کا دکھ بیان کرنا بحث چھیڑنا نہیں ہے، میں ایک رِند آدمی ہوں، مجھے بحث کرنا نہیں آتا۔
من سبکروحم گراں جان نیستم صد نشاں پیداست پنہان نیستم	میں ہلکی پھلکی طبیعت والا، میرے سینے پر بوجھ نہیں رہتا، سینکڑوں نشانات ظاہر ہیں، میں کوئی پوشیدہ نہیں ہوں۔
دین کہ می گوئی توانا کردگار چوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگری آرد بکار	اور یہ جو تم کہتے ہو کہ خدائے قادر چاہے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل دوسرا پیدا کر دے۔
با خداوند دو گیتی آفریں ممتنع نبود ظہوری ایں چنیں	جس خدا نے دونوں دنیائیں پیدا کی ہیں اس کی ذات سے یہ ناممکن نہیں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مثل ظہور میں لے آئے۔

نغز گفتی نغز تر باید شنفت آنکہ پنداری کہ ہست اندر نہفت	تم نے اچھی بات کہی، اب اس سے اچھی سُنو، تم جو سمجھتے ہو کہ عدم میں اُن کا مثل نہاں ہے جو ظہور میں آ سکتا ہے۔
گرچہ فخر دودۂ آدم بود ہم بقدر خاتمیت کم بود	اگرچہ وہ (دوسرا محمد) نسل انسانی کے لئے فخر ہو گا لیکن پھر بھی اس میں خاتمیت (خاتم المرسلین ہونے کی صفت) کی کمی رہ جائے گی۔
صورت آرایش عالم نگر یک مہ و یک مہر و یک خاتم نگر	دیکھ کہ دنیا کی آرائش کس طرح ہے، اس میں ایک سورج ہے، ایک چاند ہے اور ایک ہی خاتم (آخری پیغمبر) ہے۔
ایں کہ میگویم جوابی بیش نیست مہر و مہ زان جلوہ تابی بیش نیست	جو کچھ میں کہتا ہوں وہ تمہارا جواب ہے۔ مہر و ماہ اس کے جلوہ کی ایک چمک سے زیادہ نہیں ہیں۔ (یعنی جلوہ کی چمک اور بھی ہو سکتی ہے مگر باعتبار واقع کے نہیں ہے)
آنکہ مہر و ماہ و اختر آفرید می تواند مہر دیگر آفرید	جس نے سورج، چاند اور ستارے بنائے وہ چاہے تو دوسرا سورج بھی بنا سکتا ہے۔
حق دو مہر از سوی خاور آورد کور باد آن کو نہ باور آورد	اگر مشرق کی طرف سے وہ دو سورج نکال دے تو جو اس پر ایمان نہ لائے وہ اندھا ہوگا۔
قدرت حق بیش ازیں ہم بودہ است ہر چہ اندیشی کم از کم بودہ است	خدا کی قدرت اس سے بھی زیادہ ہے جتنی تم (اس کی قدرت) سمجھتے ہو وہ بھی کم سے کم ہے۔
لیک در یک عالم از روئی یقین خود نمی گنجد دو ختم المرسلین	لیکن یقین کی رو سے یہ بات نہیں مانی جا سکتی کہ ایک ہی دنیا میں دو دو آخری پیغمبر ہوں۔

یک جہاں تاہست یک خاتم بس ست قدرت حق را نہ یک عالم بس ست	جب تک ایک دُنیا ہے ایک ہی اس کا آخری پیغمبر ہوگا۔ البتہ خدا کی قدرت ایک دنیا پر ختم نہیں ہوگئی۔
خواہداز ہر ذرہ آردعالمی ہم بود ہر عالمی را خاتمی	وہ چاہےتو ہرایک ذرے سےایک دُنیا پیدا کر دےاور پھر ہر دنیا کاایک خاتم المرسلین ہو۔
ہر کجا ہنگامہ عالم بود رحمۃ للعالمینی ہم بود	جہاں کہیں بھی دنیا کی چہل پہل ہوگی وہاں کوئی رحمۃ للعالمین (دنیاؤں کے لئے رحمت) بھی ضرور ہوگا۔
کثرت ابداع عالم خوب تر یا بیک عالم دو خاتم خوب تر	بہتر کیا ہے؟ نئ نئ دنیاؤں کا وجود میں آنا یاایک دنیامیں دودوخاتم کا ہونا؟
در یکی عالم دو تا خاتم مجوی صد ہزاران عالم و خاتم بگوی	اس ایک دنیامیں خاتم (آخری پیغمبر) کی امید نہ رکھو، ہاں یہ کہو کہ لاکھوں دنیائیں ہوں اوران کےاپنے اپنے خاتم ہوں۔
غالبؔ ایں اندیشہ نپذیرم ہمی خوردہ ہم برخویش می گیرم ہمی	غالبؔ یہ کیا (فضول) بات کہی، یہ مجھے قبول نہیں، میں خوداپنی غلطی پکڑتا ہوں۔
ایکہ ختم المرسلینش خواندۂ دانم ازروی یقینش خواندۂ	یہ جوتم نے (محمدکو) ختم المرسلین کہاتو ظاہر ہے کہ پورے یقین سے ہی کہا ہوگا۔
این "الف لامی" کہ استغراق راست حکم ناطق معنی اطلاق راست	یہاں (ختم المرسلین کے لقب میں) الف لام استغراق کا ہےاس کے معنی ہوئے کہ مطلق مرسلین (یعنی جتنے بھی رسول ہو سکتے ہیں وہ اس میں شامل ہیں پس سب کے خاتم آنحضرت ہیں)

مَبدا ایجاد ہر عالم یکیست گر دوصد عالم بود خاتم یکیست	چوں کہ ہر عالم کا مبدا (پیدا کرنے والا) ایک ہی ہے، اس لئے اگر دوسو عالم بھی ہوں تو ان کا خاتم ایک ہی ہوگا۔
خود ہمی گوئی کہ نورش اوّلست از ہمہ عالم ظہورش اوّلست	تم خود کہتے ہو کہ اس (محمد) کا نور اول ہے اور ان کا ظہور سب سے اول ہوا۔
اوّلیت رابود شانی تمام کی بہر فروی پزیرد انقام	اولیت کی ایک شان ہے جو اول پر تمام ہو جاتی ہے۔ اولیت منقسم ہو کر متعدد ذاتوں میں نہیں پائی جاتی۔
جوہرِ کُل برنتابد تثنیہ در محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہ نیابد تثنیہ	جو ہر کل میں دو کے صیغے کی گنجائش نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں دوئی کا گزر نہیں ہو سکتا۔ (یعنی جس کی ذات کل عالم کی اصل ہے اس کی مثل کہاں ہو سکتی ہے)
تا نورزی اندر امکان ریو ورنگ حیزّ امکان بود برمثل تنگ	جب تک کہ امکان مثل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مغالطہ آمیز دلیل پیدا نہ کرو اس وقت تک قدرت خداوندی کے دائرے میں (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا) مثل نہیں سما سکتا۔
میم امکان اندر احمد منزولیست چون زامکان بگزری دانی کہ چیست	امکان کا میم احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں چھپا ہوا ہے اگر امکان کو ساقط کر دو تو جان لو کہ کیا رہا۔ (یعنی احمد سے میم گرایا تو احمد رہا۔ اور ذات احد کی مثل محال ہے۔

صانع عالم چنی کرد اختیار کس بعالم مثل نبود زینہار	دنیا کے پیدا کرنے والے کی مرضی یہی تھی کہ دنیا میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مثل ہرگز نہ ہونے پائے۔
این نہ عجز ست اختیار ست ای فقیہ خواجہ بی ہمتا بود لاریب فیہ	اے عالم دین، یہ قدرت خدا کی بے بسی نہیں بلکہ اختیار ہے۔ رسول بے مثال ہیں اور رہیں گے اس میں کوئی شک نہیں یعنی خدا مثل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہے بلکہ ارادۃً ایسا کیا کہ ان کی مثال محال رہے)
ہر کرا با سایہ نہ پسندد خدا ہیچو اوئی نقش کی بندد خدا	خدا نے جس ہستی کا سایہ تک نہ بنایا ہو اس کا مثال کیسے بنا دے گا؟
ہم گہر مہر منیرش چون بود سایہ چون نبود نظیرش چون بود	روشن سورج بھی ان کی اصل میں موجود نہیں، جس وجود کا سایہ نہ پڑتا ہو اس کا ثانی کیسے ہو سکتا ہے؟
منفرد اندر کمال ذاتیست لاجرم مثلش محال ذاتیست	رسول اپنی ذاتی صفات میں یکتا ہیں (اس لئے) انکا مثال ہونا قطعی ناممکن ہے۔
زین عقیدت برنگردم والسلام نامہ را درمی نور دم والسلام	میں اس عقیدے سے منہ نہیں پھیر سکتا، اب تحریر تمام کرتا ہوں، والسلام!

❁❁❁

ڈاکٹر عبدالسلام ۔۔۔غدار وطن یا ہیرو؟

روشن خیالوں،خودساختہ دانش وروں کے بے بصیرت دل پر ایک دستک دیتی تحریر

ڈاکٹر احید حسن (لندن)

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو اپنی جماعت کی خدمات پر" فرزند احمدیت" بھی کہا جاتا ہے وہ اپنی جماعت کے (اس وقت کے سربراہ) مرزا ناصر احمد کے حکم پر 1966ء سے وفات تک مجلس افتاء کا باقاعدہ ممبر رہا، اس کا ماموں حکیم فضل الرحمن 20 سال تک گھانا اور نائجیریا میں قادیانیت کا مبلغ رہا، اس کا والد چوہدری محمد حسین جنوری 1941ء میں انسپکٹر آف سکولز ملتان ڈویژن کے دفتر میں بطور ڈویژنل ہیڈ کلرک تعنیات ہوا، قادیانی جماعت کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیرالدین محمود نے اسے قادیانی جماعت ضلع ملتان کا امیر مقرر کردیا جس میں تحصیل ملتان، وہاڑی، کبیر والا، خانیوال، میلسی، شجاع آباد اور لودھراں کی تحصیلیں شامل تھیں. ایک دفعہ اس نے خانیوال میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر قادیانی جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مرزا قادیانی کا (نعوز باللہ) موازانہ شروع کیا تو اجتماع میں موجود مسلمانوں میں کہرام مچ گیا اور انہوں نے اشتعال میں آکر پورا جلسہ الٹ دیا، چندنوجوانوں نے چوہدری محمد حسین کو پکڑ کر جوتے بھی مارے ، پولیس نے چوہدری محمد حسین کو گرفتار کر کے مقدمہ درج کرلیا. دو دن بعد ملتان میں ایک قادیانی پولیس افسر نے مداخلت سے اس کی رہائی کروائی۔

تحریک پاکستان کا مشہور غدار خضر حیات ٹوانہ ضلع سرگودھا کا بہت بڑا جاگیردار اور یونیسٹ سیاست دان تھا، اس نے اپنی ریاست" کہلرا" میں جہاں ہزاروں

مزدر، کسان اسکی ہزاروں ایکڑ اراضی پر محنت ومشقت کرتے تھے، کبھی کوئی سکول نہ کھلنے دیا۔اس خضر حیات ٹوانہ نے حکومت برطانیہ کو جنگ عظیم میں مدد دینے کے لئے 3لاکھ روپے کا فنڈ اکٹھا کیا مگر 1945ء میں جنگ عظیم اختتام کو پہنچ گئی جس کے بعد وہ 1946ء میں کانگریس پارلیمنٹری کے ساتھ مخلوط وزارت کے زیر اہتمام پنجاب کا وزیر اعلی بنا دیا گیا۔ چونکہ اس کا جمع کیا ہوا جنگی فنڈ تا حال کسی مصرف میں نہ آسکا، اس لئے اس نے انگریز کی تعلیمی پولیسی کے مطابق چھوٹے زمینداروں کے بچوں کو بیرون ملک اعلی تعلیم کے لئے بھیجنے کے لئے وظائف کا اجرا کیا، اس مقصد کے لئے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو بیرون ملک تعلیم کے لئے یہ وظیفہ مل جائے، اس کے والد نے سر ظفر اللہ خان قادیانی جو ان دنوں والسرائے کی کونسل کا ممبر تھا کی سفارش پر ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر سے ایک سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا کہ گورداسپور میں اس کی اراضی ہے جو اسے اس کے بھائی نے دی ہے جو اسی ضلع میں رہائش پذیر ہے اس طرح دوسرے امیدواروں کی طرح ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی بھی وہ وظیفہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ وظیفہ تین سال کی مدت کے لئے مخصوص تھا اور اس کی قیمت تین سو پچھتر پاونڈ سالانہ تھی، اس زمانے کے ایکسچینج ریٹ کے مطابق ایک برطانوی پاونڈ تیرہ روپے کا ہوا کرتا تھا، ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی نے اس وظیفے کے حصول کی کوشش کے ساتھ ہی کیمبرج داخلے کی درخواست بھیج دی تھی، جب اس کے ساتھ سکالرز کو اگلے سال (یعنی 1947ء) کیمبرج میں داخلہ دینے کا وعدہ کیا گیا تو عبدالسلام قادیانی کو اسی دن یعنی 3 ستمبر 1946ء کو کیمبرج کی طرف سے ایک لیٹر موصول ہوا جس میں اسے اطلاع دی گئی تھی کہ سینٹ جان کالج میں اس کے لئے ایک غیر متوقع خالی جگہ ماجود ہے، یوں قادیانی زندیق کا کیمبرج میں داخلہ ہوگیا۔قادیانی جب برطانیہ پہنچا تو لیور پول کی بندرگاہ پر جو شخص اسے سب سے پہلے ملا، وہ سر ظفر اللہ

خاں قادیانی تھا۔

اس نے 1951ء میں دوبارہ واپس آ کر گورنمنٹ کالج لاہور میں ملازمت کا آغاز کیا۔گورنمنٹ کالج میں پروفیسری کے دور میں قادیانی زندیق کو کیمبرج یونیورسٹی نے لیکچر شپ کے عہدے کی پیشکش کی تو قادیانی نے اسے بخوشی قبول کر لیا، لہذا بمطابق حکومت پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر 6075/2 مورخہ 16 فروری 1954ء قادیانی کو مندرجہ ذیل شرائط پر کیمبرج میں ڈیپوٹیشن پر لیکچرر شپ کے عہدہ پر کام کرنے کی اجازت دے دی گئی:

گورنر پنجاب کی جانب سے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی ایم اے (پنجاب) بی اے (کیمبنٹ) پی ایچ ڈی (کیمبنٹ) پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور کی خدمات بخوشی تین سال یا اس سے کم (اگر وہ جلدی ہی پاکستان واپس آ گئے) مدت کے لئے بحثیت ریاضی سٹوکس لیکچرر کیم جنوری 1954ء سے کیمبرج کے سپرد کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کی کیمبرج میں تقرری کی شرائط حسب ذیل ہونگی:

سینٹ جان کالج کی فیلوشپ: 300 پاونڈ..... یونیورسٹی میں بحیثیت لیکچرر تنخواہ: 450 پاونڈ.... دیگر الاؤنس: 50 پاونڈ.... کل: 800 پاونڈ

اس کے علاوہ اسے سینٹ جان کالج کی طرف سے ایک اپارٹمنٹ دیا گیا جہاں وہ اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ منتقل ہو گیا، یاد رہے یہاں رہائش اور کھانا مفت تھا۔ جو لوگ اسے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کی جلاوطنی کا نام دیتے ہیں، انہیں اس حقیقت کے پیش نظر اپنے من گھڑت مفروضے پر نظر ثانی کر کے پوری قوم سے معذرت خواہ ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کی پرزور فرمائش پر ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی (ڈاکٹر آئی ایچ عثمانی) کو صدر ایوب نے 1958ء میں اپنے دور حکومت میں ایٹمی توانائی کمیشن کا

رکن بنایا اور پھر ایک سال کے اندر اندر اس کا چیئرمین بنا دیا گیا، ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی نے امپیریل کالج لندن کے ریکٹر سر پیٹرک لنسٹیڈ کی ملی بھگت سے 500 کے قریب نیوکلئیر فزکس، ریاضی، صحت وطب اور حیاتیات کے طلبہ اور ماہرین کو بیرونی ممالک بلخصوص امریکہ اور برطانیہ کے تحقیقی مرکز میں حکومت کے خرچ پر اعلی تحقیق وتعلیم کے لئے بھیجنے کا منصوبہ بنایا، ان طلبہ اور ماہرین کی اکثریت قادیانی مذہب سے تعلق رکھتی تھی، ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی زندیق نے ڈاکٹر عثمانی سے اس منصوبہ کو منظور کرواکے ان لوگوں کو باہر بجھوادیا جو واپس آ کر ملک کے حساس اداروں کلیدی عہدوں بلخصوص ایٹمی انرجی کمیشن میں فائز ہو گئے۔ اس کے برعکس امریکی تعلیمی اداروں کے نیوکلئیر فزکس کے شعبہ میں مسلمان بلخصوص عرب طلبہ پر پابندی ہے جو اب تک برقرار ہے، یہ امر قابل ذکر ہے کہ 1974ء تک جب تک اس شعبہ میں قادیانیوں کے اثرات تھے، ایٹمی قوت بننے کے سلسلے میں معمولی سا کام بھی نہیں ہوا، حالانکہ صدر ایوب چاہتے تھے کہ ہندوستان کے مقابلہ میں دفاعی قوت مضبوط بنائی جائے لیکن قادیانیوں نے ان کی کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

اس قادیانی نے مغربی طاقتوں اور اسرائیل کے اشارے پر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو ناکام بنانے اور تمام دوسرے محب وطن سائنس دانوں کو بے حوصلہ کرنے کے متعدد اقدامات کیے، پاکستان کے تمام ایٹمی راز ملک دشمن ممالک کو فراہم کیے۔ انہیں کہوٹہ ایٹمی سنٹر اور دوسرے حساس قومی معاملات کی ایک ایک خبر پہنچائی، دراصل وہ چاہتا تھا کہ پاکستان کبھی دفاع کے معاملے میں خود کفیل نہ ہو سکے اور ہمیشہ بڑی طاقتوں کا دست نگر رہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی مسلمانوں کو کیا سمجھتا تھا؟ اس سلسلے میں معروف صحافی وکالم نویس جناب تنویر قیصر صاحب نے ایک دلچسپ مگر فکر انگیز واقعہ میں اپنی ذاتی

معاملات میں بتایا، یہ واقعہ انہی کی زبانی سنیئے : کہتے ہیں کہ" ایک دفعہ لندن میں قیام کے دوران بی بی سی لندن کی طرف سے میں اپنے ایک دوست کے ساتھ بطور معاون ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے گھر ان کا تفصیلی انٹرویو کرنے گیا

میرے دوست نے ڈاکٹر عبدالسلام کا تفصیلی انٹرویو کیا اور ڈاکٹر صاحب نے بھی بڑی تفصیلات کے ساتھ جوابات دیے

انٹرویو کے دوران میں بلکل خاموش، پوری دلچسپی کے ساتھ سوال و جواب سنتا رہا ، دوران انٹرویو انہوں نے ملازم کو کھانا دسترخوان پر لگانے کا حکم دیا، انٹرویو کے تقریباً آخر میں ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی نے مجھے مخاطب کیا اور بولے، اپ معاون کے طور پر تشریف لائے ہیں مگر آپ نے کوئی سوال نہیں کیا؟ میری خواہش ہے کہ آپ بھی سوال کریں، ان کے اصرار پر میں نے بڑی عاجزی سے کہا چونکہ میرا دوست آپ سے بڑا جامع انٹرویو کر رہا ہے اور میں اس میں کوئی تشنگی نہیں محسوس کر رہا، ویسے بھی میں اپ کی شخصیت اور آپ کے کام کو اچھی طرح جانتا ہوں، میں نے آپ کے متعلق خاصا پڑھا ہے. جھنگ سے لیکر اٹلی تک اپ کی تمام سرگرمیاں میری نظروں سے گزرتی رہی ہیں لیکن پھر ایک خاص مصلحت کے تحت میں اس سلسلہ میں کوئی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھتا. اس پر ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی فخریہ انداز میں مسکرائے اور ایک مرتبہ پھر اپنے علمی گھمنڈ اور غرور سے مجھے" مفتوح" سمجھتے ہوئے" فاتح" کے انداز میں" حملہ اور" ہوتے ہوے کہا: نہیں اپ ضرور سوال کریں ، مجھے بہت خوشی ہوگی . بال آخر ڈاکٹر صاحب کے پرزور اصرار پر میں نے انہیں کہا کہ اپ وعدہ فرمائیں کہ اپ بغیر کسی تفصیل میں گئے میرے سوال کا دوٹوک الفاظ ہاں یا نہیں میں جواب دیں گے. ڈاکٹر صاحب نے وعدہ فرمایا: ٹھیک بلکل ایسا ہوگا.

میں نے ڈاکٹر سے پوچھا چونکہ اپ قادیانی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جو نہ

صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بحثییت آخری نبی کی منکر ہے بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپ لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول مانتے ہیں جبکہ مسلمان مرزا قادیانی کی نبوت کا انکار کرتے ہیں.اپ بتائیں کہ مدعی نبوت مرزا غلام قادیانی کو نبی نہ ماننے پر اپ مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہیں؟

اس پر ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی بغیر کسی توقف کے بولے کہ" میں ہر اس شخص کو کافر سمجھتا ہوں جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانتا" ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے اس جواب پر میں نے انہیں کہا کہ میں مزید سوال کرنا نہیں چاہتا.اس موقع پر انہوں نے اخلاق سے گری ہوئی ایک عجیب حرکت کی کہ اپنے ملازم کو بلا کر دستر خوان سے کھانا اٹھوا دیا، پھر ڈاکٹر صاحب کو پریشان دیکھ کر ہم دونوں دوست ان سے اجازت لیکر رخصت ہوئے۔

مذہبی رواداری کا نقطہ نظر واقعی اسلامی فراخ قلبی کا مظہر ہے.اور ہم بھی تہہ دل سے اس کے حامی ہیں لیکن اگر کوئی صاحب کمال اسلام کے مفادات کی جڑیں کاٹتا ہوا اگر اس کے اور اس کی جماعت کے رویہ سے اسلامی مما لک کو خطرات لاحق ہوں، اگر وہ اپنے کمال کو اپنے باطل مذہب کی اشاعت کے لئے استعمال کرتا ہو تو اس کے کمال کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اس سے لاحق خطرات سے قوم کو اگاہ کرنا بھی اہل فکر ونظر کا فریضہ ہونا چاہیے.ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی زندیق قادیانیت کا پر جوش داعی ومبلغ تھا، اس کی جماعت اور اس کے پیشوا ہمیشہ سے مسلمانوں کے حریف اور اعدائے اسلام کا حلیف رہا ہے، اور وہ پوری دنیا میں یہ جھوٹا شور وغوغا کرتا رہا ہے کہ پاکستان میں قادیانیوں پر ظلم ہو رہا ہے، کیا مسلمان کو ایسے دشمن کی تعریف کرنا جس سے عالم اسلام کو خطرات ہوں، اسلامی عزت وحمیت کا مظہر ہے؟؟

10 ستمبر 1974ء کو ڈاکٹر عبدالسلام نے وزیر اعظم کے سائنسی مشیر کی حیثیت

سے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے سامنے اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ اس کی وجہ انھوں نے اس طرح بیان کی:

''آپ جانتے ہیں کہ میں احمدیہ (قادیانی) فرقے کا ایک رکن ہوں۔ حال ہی میں قومی اسمبلی نے احمدیوں کے متعلق جو آئینی ترمیم منظور کی ہے، مجھے اس سے زبردست اختلاف ہے۔ کسی کے خلاف کفر کا فتویٰ دینا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ کوئی شخص خالق اور مخلوق کے تعلق میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ میں قومی اسمبلی کے فیصلہ کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا لیکن اب جبکہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے اور اس پر عملدرآمد بھی ہو چکا ہے تو میرے لیے بہتر یہی ہے کہ میں اس حکومت سے قطع تعلق کر لوں جس نے ایسا قانون منظور کیا ہے۔ اب میرا ایسے ملک کے ساتھ تعلق واجبی سا ہوگا جہاں میرے فرقہ کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہو۔''

فروری 1987ء میں ڈاکٹر عبدالسلام نے امریکی سینٹ کے ارکان کو ایک چٹھی لکھی کہ ''آپ پاکستان پر دباؤ ڈالیں اور اقتصادی امداد مشروط طور پر دیں تاکہ ہمارے خلاف کیے گئے اقدامات حکومت پاکستان واپس لے لے۔''

30 اپریل 1984ء کو قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد قادیانی آرڈیننس مجریہ 1984ء کی خلاف ورزی پر مقدمات کے خوف سے بھاگ کر لندن چلے گئے۔ رات کو لندن میں انھوں نے مرکزی قادیانی عبادت گاہ ''بیت الفضل'' سے ملحقہ محمود ہال میں غصہ سے بھرپور جوشیلی تقریر کی۔ اس موقع پر ڈاکٹر عبدالسلام مرزا طاہر کے سامنے صف اوّل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مرزا طاہر احمد نے اپنے خطاب میں صدارتی آرڈیننس نمبر 20 مجریہ 1984ء (جس کی رو سے قادیانیوں کو شعائر اسلامی کے استعمال سے روک دیا گیا تھا) پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے اسے حقوق انسانی کے منافی قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ احمدیوں کی بددعا سے عنقریب پاکستان

ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ مزید برآں انھوں نے امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک سے اپیل کی کہ وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر پاکستان کی تمام اقتصادی امداد بند کر دیں۔ اپنے خطاب کے آخر میں مرزا طاہر نے ڈاکٹر عبدالسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''صرف آپ میرے دفتر میں ملاقات کے لیے تشریف لائیں۔ آپ سے چند ضروری باتیں کرنا ہیں۔'' ''فرزند احمدیت'' ڈاکٹر عبدالسلام نے اسے اپنی سعادت سمجھا اور ملاقات کے لیے حاضر ہو گئے۔

اس ملاقات میں مرزا طاہر احمد نے ڈاکٹر عبدالسلام کو ہدایت کی کہ وہ صدر ضیاء الحق سے ملاقات کریں اور انھیں آرڈیننس واپس لینے کے لیے کہیں۔ لہٰذا ڈاکٹر عبدالسلام نے جنرل محمد ضیاء الحق سے پریذیڈنٹ ہاؤس میں ملاقات کی اور انھیں جماعت احمدیہ کے جذبات سے آگاہ کیا۔ صدر ضیاء الحق نے بڑے تحمل اور توجہ سے انھیں سنا۔ جواب میں صدر ضیاء الحق اٹھے اور الماری سے قادیانی قرآن ''تذکرہ'' مجموعہ وحی مقدس و الہامات اٹھا لائے اور کہا کہ یہ آپ کا قرآن ہے اور دیکھیں اس میں کس طرح قرآن مجید کی آیات میں تحریف کی ہے اور ایک نشان زدہ صفحہ کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا۔

اس صفحہ پر مندرجہ ذیل آیت درج تھی: انا انزلنا قریبا من القادیان ترجمہ: ''(اے مرزا قادیانی) یقینا ہم نے قرآن کو قادیان (گورداسپور بھارت) کے قریب نازل کیا۔'' (نعوذ باللہ) (تذکرہ مجموعہ وحی مقدس والہامات طبع چہارم ص 59 از مرزا قادیانی)

اور مزید لکھا ہے کہ یہ تمام قرآن مرزا قادیانی پر دوبارہ نازل ہوا ہے۔ ضیاء الحق نے کہا کہ یہ بات مجھ سمیت ہر مسلمان کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ اس پر ڈاکٹر عبدالسلام کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور وہ بے حد شرمندہ ہوئے اور کھسیانے ہو کر بات کو ٹالتے ہوئے پھر حاضر ہونے کا کہہ کر اجازت لے کر رخصت ہو گئے۔

یہ بات اہل علم سے ڈھکی چھپی نہیں کہ اسرائیل کے معروف یہودی سائنس دان یوول نیمان کے ڈاکٹر عبدالسلام سے دیرینہ تعلقات تھے۔ یہ وہی یوول نیمان تھے جن کی سفارش پر تل ابیب کے میئر نے وہاں کے نیشنل میوزیم میں ڈاکٹر عبدالسلام کا مجسمہ یادگار کے طور پر رکھا۔ معتبر ذرائع کے مطابق بھارت نے اپنے ایٹمی دھماکے اسی یہودی سائنس دان کے مشورے سے کیے جو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ہے۔
یوول نیمان امریکہ میں بیٹھ کر براہ راست اسرائیل کی مفادات کی نگرانی کرتا تھا۔

اسرائیل کے لیے پہلا اٹیم بم بنانے کا اعزاز بھی اسی شخص کو حاصل ہے۔ پاکستان اس کی ہٹ لسٹ پر تھا اور اس سلسلے میں وہ بھارت کے کئی خفیہ دورے بھی کرتا رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ تل ابیب یونیورسٹی اسرائیل کے شعبہ فزکس کا سربراہ بھی تھا۔ اس سے پہلے یہ شخص اسرائیل کا وزیر تعلیم وسائنس وٹیکنالوجی بھی رہا۔ پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام پر اس کی خاص نظر ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان ان کی آنکھ میں کانٹا بن کر کھٹکتا ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر عبدالسلام کے پاکستان دشمن بھارتی لیڈر نہرو کے ساتھ بڑے دوستانہ مراسم تھے۔ ایک دفعہ نہرو نے ڈاکٹر عبدالسلام کو آفر کی تھی کہ آپ انڈیا آ جائیں، ہم آپ کو آپ کی مرضی کے مطابق ادارہ بنا کر دیں گے۔ اس پر ڈاکٹر عبدالسلام نے کہا کہ ''وہ اس سلسلہ میں اٹلی کی حکومت سے وعدہ کر چکے ہیں لہٰذا میں معذرت چاہتا ہوں لیکن آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے وہاں کے سائنس دانوں سے تعاون کروں گا۔'' یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کی بھارتی ''خدمات'' کے عوض ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ برائے بنیادی تحقیق بمبئی، انڈین نیشنل سائنس اکیڈمی نئی دہلی اور انڈیا اکیڈمی آف سائنس بنگلور کے منتخب رکن رہے۔ گورونانک یونیورسٹی امرتسر (بھارت)، نہرو یورنیورسٹی بنارس (بھارت)، پنجاب یونیورسٹی چندی گڑھ

(بھارت) نے انہیں ''ڈاکٹر آف سائنس'' کی اعزازی ڈگریاں دیں۔کلکتہ یونیورسٹی نے انہیں سر دیو پرشاد سرداد ھیکاری گولڈ میڈل اور انڈیشن فزکس ایسوسی ایشن نے شری آرڈی برلا ایوارڈ دیا۔

بھارتی صحافی جگجیت سنگھ کے ساتھ ڈاکٹر عبدالسلام کے ذاتی تعلقات تھے۔ڈاکٹر عبدالسلام جب بھی بھارت جاتے،جگجیت سنگھ ''ٹائمز آف انڈیا''میں ان پر بھرپور فیچر شائع کرتے۔ انہوں نے ڈاکٹر عبدالسلام پر "Abdulsalam a Biography(سن اشاعت 1992ئ) کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب کا ایک باب"The Ahmaddiya Jammat ہے جس میں جگجیت سنگھ نے قادیانیوں کوغیر مسلم قرار دیئے جانے والے 7 ستمبر 1974ءکو پارلیمنٹ کے متفقہ فیصلہ اور 1984ء کے صدارتی آرڈیننس جس کے تحت قادیانی شعائر اسلامی استعمال نہیں کر سکتے، کی سخت مذمت کی اور قادیانیوں کو''مظلوم'' قرار دیتے ہوئے ان کے خلاف اقدامات کوحقوق انسانی کے منافی قرار دیا۔

ڈاکٹر عبدالسلام کے ایک اور بے تکلف دوست جے سی پولنگ ہارو (J.C.Polking Horue) جو کیمبرج میں سلام کے شاگرد تھے اور بعد میں کیتھولک بشپ بن گئے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کی درخواست پر ہر سال قادیانی جماعت کے سالانہ جلسوں میں شرکت کرتے رہے۔ یاد رہے یہ وہی پولنگ ہارو ہیں جو پاکستان میں قانون توہین رسالت C/295 کے خلاف امریکہ میں عیسائی جلوسوں کی قیادت کرتے ہیں۔جن میں قادیانیوں کی بھی کثیر تعداد شامل ہوتی ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جب قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد نے جولائی 1994ء میں بیت الفضل لندن میں توہین رسالت کی سزا کے خلاف تقریر کی تو مسٹر پولنگ ہارو اپنے کئی بشپ دوستوں کے ہمراہ وہاں موجود تھے۔

معروف صحافی جناب زاہد ملک اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''ڈاکٹر عبدالقدیر اور اسلامی بم'' کے صفحہ 23 پر ڈاکٹر عبدالسلام کی پاکستان دشمنی کے بارے میں حیرت انگیز انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''معزز قارئین کو اس انتہائی افسوس ناک بلکہ شرمناک حقیقت سے باخبر کرنے کے لیے کہ اعلیٰ عہدوں پر متمکن بعض پاکستانی کس طرح غیر ممالک کے اشارے پر کہوٹہ بلکہ پاکستان کے مفاد کے خلاف کام کر رہے ہیں، میں صرف ایک اور واقعہ کا ذکر کروں گا اور اس واقعہ کے علاوہ مزید ایسے واقعات کا ذکر نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ ایسا کرنے میں کئی ایک قباحتیں ہیں لیکن میں نے ان سنسنی خیز واقعات کو تاریخ وار درج کر کے اس انتہائی اہم قومی دستاویز کی دو نقلیں پاکستان کے باہر دو مختلف شخصیات کے پاس بطور امانت درج کرادی ہیں اور اس کی اشاعت کب اور کیسے ہو، کے متعلق بھی ضروری ہدایات دے دی ہیں۔'' یہ واقعہ نیاز اے نائیک سیکرٹری وزارت خارجہ نے مجھے ڈاکٹر عبدالقدیر کا ذاتی دوست سمجھتے ہوئے سنایا تھا۔ انہوں نے بتلایا کہ وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خاں نے انہیں یہ واقعہ ان الفاظ میں سنایا:

''اپنے ایک امریکی دورے کے دوران سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں، میں بعض اعلیٰ امریکی افسران سے باہمی دلچسپی کے امور پر گفتگو کر رہا تھا کہ دوران گفتگو امریکیوں نے حسب معمول پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا ذکر شروع کر دیا اور دھمکی دی کہ اگر پاکستان نے اس حوالے سے اپنی پیش رفت فوراً بند نہ کی تو امریکی انتظامیہ کے لیے پاکستان کی امداد جاری رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ ایک سینئر یہودی افسر نے کہا ''نہ صرف یہ بلکہ پاکستان کو اس کے سنگین نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہنا چاہئے۔ جب ان کی گرم سرد باتیں اور دھمکیاں سننے کے بعد میں نے کہا کہ آپ کا یہ تاثر غلط ہے کہ پاکستانی ایٹمی توانائی کے حصول کے علاوہ کسی اور قسم کے ایٹمی پروگرام میں دلچسپی رکھتا

ہے تو سی آئی اے کے ایک افسر نے جو اسی اجلاس میں موجود تھا، کہا کہ آپ ہمارے دعویٰ کو نہیں جھٹلا سکتے۔ ہمارے پاس آپ کے ایٹمی پروگرام کی تمام تر تفصیلات موجود ہیں بلکہ آپ کے اسلامی بم کا ماڈل بھی موجود ہے۔ یہ کہہ کر سی آئی اے کے افسر نے قدرے غصے بلکہ نا قابل برداشت بدتمیزی کے انداز میں کہا کہ آیئے میرے ساتھ بازو والے کمرے میں۔ میں آپ کو بتاؤں آپ کا اسلامی بم کیا ہے؟ یہ کہہ کر وہ اٹھا۔ دوسرے امریکی افسر بھی اٹھ بیٹھے۔ میں بھی اٹھ بیٹھا۔ ہم سب اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ سی آئی اے کا یہ افسر، ہمیں دوسرے کمرے میں کیوں لے کر جا رہا ہے اور وہاں جا کر یہ کیا کرنے والا ہے۔ اتنے میں ہم سب ایک ملحقہ کمرے میں داخل ہو گئے۔ سی آئی اے کا افسر تیزی سے قدم اٹھا رہا تھا۔ ہم اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ کمرے کے آخر میں جا کر اس نے بڑے غصے کے عالم میں اپنے ہاتھ سے ایک پردہ کو سرکایا تو سامنے میز پر کہوٹہ ایٹمی پلانٹ کا ماڈل رکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی دوسری طرف ایک سٹینڈ پر فٹ بال نما کوئی گول سی چیز رکھی ہوئی تھی۔ سی آئی اے کے افسر نے کہا ''یہ ہے آپ کا اسلامی بم۔ اب بولو تم کیا کہتے ہو۔ کیا تم اب بھی اسلامی بم کی موجودگی سے انکار کرتے ہو؟'' میں نے کہا میں فنی اور تکنیکی امور سے نابلد ہوں۔ میں یہ بتانے یا پہچان کرنے سے قاصر ہوں کہ یہ فٹ بال قسم کا گولہ کیا چیز ہے اور یہ کس چیز کا ماڈل ہے۔ لیکن اگر آپ لوگ بضد ہیں کہ یہ اسلامی بم ہے تو ہوگا، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سی آئی اے کے افسر نے کہا کہ آپ لوگ تردید نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس نا قابل تردید ثبوت موجود ہیں۔ آج کی میٹنگ ختم کی جاتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر کی طرف نکل گیا اور ہم بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئے۔ میرا سر چکرا رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ جب ہم کاریڈور سے ہوتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے تو میں نے غیر ارادی طور پر پیچھے مڑ کر

دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام ایک دوسرے کمرے سے نکل کر اس کمرے میں داخل ہورہے تھے،جس میں بقول سی آئی اے کے،اس کے اسلامی بم کا ماڈل پڑا ہوا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا،اچھا!تو یہ بات ہے"۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ ہمارے صاحبان اقتدار نے دانستہ طور پر ڈاکٹر عبدالسلام کی مندرجہ بالا غداریوں اور سازشوں سے مجرمانہ چشم پوشی کی اور ان "خدمات" کے عوض انہیں 1959ء میں ستارہ امتیاز اور تمغہ و ایوارڈ حسن کارکردگی اور 1979ء میں پاکستان کا سب سے بڑا سول اعزاز نشان امتیاز دیا گیا۔

سابق وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں ایک سائنس کانفرنس میں شمولیت کے لیے ڈاکٹر عبدالسلام کو ایک دعوت نامہ بھیجا گیا تھا۔ یہ ان ایام کی بات ہے جب قومی اسمبلی نے آئینِ پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا تھا۔ یہ دعوت نامہ اس ملعون نے وصول پایا اور مندرجہ ذیل ریمارکس لکھ کر وزیراعظم سیکرٹریٹ کو واپس اسلام آباد بھجوادیا:

"I do not want to set foot on this accursed land until the constitutional amendment is withdrawn."

(یعنی "میں اس لعنتی ملک پر قدم نہیں رکھنا چاہتا"۔)

ڈاکٹر عبدالسلام لعین نے غیر ملکی طاقتوں کو پاکستان کے ایٹمی راز فاش کیے۔ اس شرمناک اور انتہائی افسوسناک حرکت پر فخرِ پاکستان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب نے بھی حیرت ناک انکشافات فرمائے۔ میں آپ کو ختمِ نبوت کے دو محققین کی کتب کے اقتباسات بھیج رہا ہوں جو لف ہذا ہیں۔ مندرجہ ذیل مضامین کو پڑھ کر آپ خود اندازہ لگالیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام لعین محب وطن تھا یا غدارِ وطن تھا؟

حوالہ جات (1) ڈاکٹر عبدالسلام کون؟ ایک تعارف ایک تجزیہ

(صفحات ۴۲ تا ۴۷)

مضمون درقادیانیت کش، محمد طاہر عبدالرزاق، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان، مارچ ۲۰۰۶ء

(2) ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی۔تصویر کا دوسرا رخ، (صفحات ۳۷۵ تا ۳۷۸)

مضمون درقادیانیت اسلام کے نام پر دھوکہ، محمد متین خالد، مرکز سراجیہ، اکرم پارک، غالب مارکیٹ گلبرگ III، لاہور، ۲۰۱۵ء ایڈیشن

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے انگریزی خط مورخہ ۲۱/جون ۱۹۳۶ء بنام پنڈت جواہر لعل نہرو تحریر فرمایا تھا:

"I have no doubt in my mind that the Ahmadies are traitors both to Islam and India".

''میرے ذہن میں اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ احمدی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں''

(اس خط کو ایشیاء پبلشنگ ہاؤس بمبئی، کلکتہ، نئی دلّی اور مدراس کی طرف سے شائع کردہ کتاب ''اے بنچ آف اولڈ لیٹرز'' (A Bunch of Old Letters) سے نقل کیا گیا ہے۔

جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی ملعون نے لکھا ہے کہ: "میں انگریز کا خود کاشتہ پودا ہوں۔" جس طرح ہر یہودی پاکستان اور مسلمانوں کا دشمن ہے، اسی طرح ہر قادیانی پاکستان اور مسلمانوں کا دشمن ہے۔ اسی لیے یہودیوں اور قادیانیوں کی نظریاتی مماثلت اور اشتراک کا تجزیہ کرتے ہوئے علامہ اقبال نے 1936ء میں کہا تھا کہ: "مرزائیت اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہے کہ گویا یہ تحریک ہی یہودیت کی طرف رجوع ہے۔" (حرف اقبال، لطیف احمد شیروانی ایم اے، ص:115)

اس عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے علامہ اقبال نے پنڈت جواہر لال نہرو کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا تھا: ”آپ یہ بات سمجھ ہی نہیں سکتے کہ عقیدۂ ختم نبوت کی کیا اہمیت ہے اور کسی مدعی نبوت یا اس کے پیروکاروں کو مسلمان تصور کرنے کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے“۔اور یہ بھی کہا تھا کہ: ”قادیانی اسلام اور وطن دونوں کے غدار ہیں۔“

قومی اسمبلی نے قادیانیوں کے پیشواؤں کو سننے کے بعد اتفاق رائے سے جب ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو ڈاکٹر عبدالسلام نے اس تاریخی فیصلہ پر اپنے رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے ایک انٹرویو میں کہا:

”جو سلوک مسٹر بھٹو نے قادیانیوں سے کیا ہے، اس پر میں یہی دعا کروں گا کہ نہ صرف مسٹر بھٹو، بلکہ ان تمام کا بھی بیڑا غرق ہو جو اس فیصلے کے ذمہ دار ہیں۔“ (ہفت روزہ بادیان لاہور، ج:7، شمارہ:5، 18/مئی 1979ء)

مسٹر بھٹو کے دور میں ایک سائنسی کانفرنس ہو رہی تھی، کانفرنس میں شرکت کے لیے ڈاکٹر عبدالسلام کو دعوت نامہ بھیجا گیا۔ یہ دعوت نامہ جب ڈاکٹر عبدالسلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے مندرجہ ذیل ریمارکس کے ساتھ اسے وزیر اعظم سیکریٹریٹ کو بھیج دیا:

”ترجمہ: میں اس لعنتی ملک پر قدم رکھنا نہیں چاہتا، جب تک آئین میں کی گئی ترمیم واپس نہ لی جائے۔“

مسٹر بھٹو نے جب یہ ریمارکس پڑھے تو غصّے سے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا، انہوں نے اشتعال میں آ کر اسی وقت اسٹیبلشمنٹ ڈویژن کے سیکریٹری وقار احمد کو لکھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو فی الفور برطرف کر دیا جائے اور بلا تاخیر نوٹیفکیشن جاری کر دیا جائے۔ وقار احمد نے یہ دستاویز ریکارڈ میں فائل کرنے کے بجائے اپنی ذاتی تحویل میں لے لی، تاکہ اس کے آثار مٹ جائیں۔ وقار احمد بھی قادیانی کافر تھا، یہ کس طرح ممکن تھا

کہ اتنی اہم دستاویز فائلوں میں محفوظ رہتی؟! (ہفت روزہ "چٹان" لاہور شمارہ 22 / جون 1986ء) کیاایسا شخص جو پاکستان کے بارے میں ایسے توہین آمیز اور ملعون الفاظ بکتا ہو، اس کا اِعزاز پاکستان اور اہلِ پاکستان کے لیے موجبِ مسرّت اور لائقِ مسرّت .ہوسکتا ہے..

مزید سنیے: ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے ایک انٹرویو میں ڈاکٹر منیر قادیانی کی سازشوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں:

ومت کے سربراہ سے جھوٹ بولنا بہت غلط کام ہے،مگر ایٹمی توانائی کمیشن کے سابق چیئرمین منیر احمد خان اور اس کے چیلوں نے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ انتہائی ڈھٹائی سے جھوٹ بولا۔ انہوں نے پروگرام بنایا کہ تھوڑا سا دھماکہ خیز مواد لے کر زمین میں دبا دیتے ہیں، اس میں کوبالٹ اور زنگ بھی ملا دیں گے، پھر اس سے دھماکہ کر کے بھٹو کو بے وقوف بنالیں گے کہ ہم نے ایٹمی دھماکہ کرلیا ہے۔ مجھے پتہ چلا تو میں نے ذوالفقار علی بھٹو کو صاف صاف بتادیا کہ ان سب لوگوں کا یہ پروگرام ہے۔" (روزنامہ خبریں، لاہور، 31 / مئی 1998ء، بحوالہ غدارِ پاکستان، ص:165)

پاکستان کے مشہور صحافی جناب حامد میر صاحب ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

آج منیر احمد خان ٹیلیویژن پر آکر ایٹم بم کی کام یابی کا کریڈٹ لینے کی کوشش کرتا ہے۔اس شخص نے ہمیشہ ایٹمی قوت بننے کے خلاف سازشیں کیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام ایک ثقہ قادیانی تھا اور اسے اس لیے نوبل انعام سے نوازا گیا کہ اسنے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو ناکام بنانے والے لوگوں کو اٹامک انرجی کمیشن میں بھرتی کیا۔ یہ منیر احمد خان اس کا لایا ہوا سائنس دان تھا جسکی پوری کوشش یہ رہی کہ پاکستان کبھی ایٹمی قوت نہ بن سکے۔" (ہفت روزہ زندگی لاہور، 28 / جون تا 14 جولائی 1998ء)

انعام ڈاکٹر عبدالسلام کو کوئی انقلابی تھیوری پیش کرنے پر نہیں دیا گیا، بلکہ اسلام

اور پاکستان کو بدنام کرنے کی خدمات انجام دینے کے صلہ میں ملا ہے، کیوں کہ ڈاکٹر عبدالسلام ایک ریڈیو انٹرویو میں خود اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ انہوں نے طبعیات میں میکسول اور اس کے ساتھیوں کے انکشافات کو آگے بڑھایا ہے اور اس شعبہ میں کوئی بڑا معرکہ انجام نہیں دیا۔ (نوبل پرائز اور ڈاکٹر عبدالسلام، شفیق مرزا)

باخبر حلقے بتاتے ہیں چوں کہ پاکستان میں قادیانی امت کے غیر مسلم اقلیت قرار پانے سے ملت اسلامیہ میں ان کی نقب لگانے کی پوزیشن بری طرح متاثر ہو چکی تھی اور وہ کسی بھی اسلامی ملک میں امریکی مفادات کے لیے مؤثر طریقے سے کام کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہے تھے، کیوں کہ انہیں ہر جگہ سام راجی گماشتہ اور جاسوس کے طور پر دیکھا جاتا تھا، مگر امریکہ' تاجِ برطانیہ کے پرانے وفاداروں کو اس طرح چھوڑنا پسند نہیں کرتا تھا، اس لیے اس نے پہلے یہودی اثر ورسوخ سے چلنے والے ممتاز سائنسی اخبارات وجرائد میں ڈاکٹر عبدالسلام کے حق میں مہم چلائی اور بالآخر نوبل پرائز کا تمغہ ان کے سینے پر سجا دیا۔ ڈاکٹر اسٹیون وائنبرگ نے ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل پرائز ملنے پر شدید احتجاج کیا تھا اور اپنے ایک ریڈیو انٹرویو میں کہا تھا کہ: "ڈاکٹر عبدالسلام نے کوئی اہم سائنسی پیش رفت نہیں کی کہ انہیں اس اہم انعام کا مستحق ٹھہرایا جائے، بلکہ انہیں ایک خاص اور اَن دیکھے منصوبے کے تحت ہمارے ساتھ نتھی کیا گیا ہے، جو سخت بددیانتی کے زمرہ میں آتا ہے۔" (غدار پاکستان، ص:100)

ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے بھی ایک انٹرویو میں کہا: "ڈاکٹر عبدالسلام کو ملنے والا نوبل انعام نظریات کی بنیاد پر دیا گیا ہے، وہ 1957ء سے اس کوشش میں تھے کہ انہیں نوبل انعام ملے اور آخر آئن اسٹائن کی صد سالہ وفات پر اس کا مطلوبہ انعام دے دیا گیا۔ دراصل قادیانیوں کا اسرائیل میں باقاعدہ مشن ہے، جو ایک عرصہ سے کام کر رہا ہے، یہودی چاہتے تھے کہ آئن اسٹائن کی برسی پر اپنے ہم خیال لوگوں کو خوش کر دیا

جائے، سو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو بھی اس انعام سے نوازا گیا۔" (انٹرویو ڈاکٹر عبدالقدیر، ہفت روزہ چٹان، لاہور 6/فروری 1984ء)

اس لیے ڈاکٹر عبدالسلام نے ہمیشہ اپنے مذہب قادیانیت کا دفاع کرتے ہوئے اسلام اور پاکستان کی مخالفت کی۔ 1979ء میں اسٹاک ہوم میں نوبل انعام وصول کرتے وقت اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ: "میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی (ملعون) کا غلام ہوں، پھر مسلمان (کہاں کا مسلمان؟) ہوں اور پھر پاکستانی۔" (ہفت روزہ زندگی لاہور، 14 / جون 1990ء)

اور یہ بات بھی ریکارڈ پر ہے کہ ملتان کانفرنس میں جب بھٹو نے ایٹم بم بنانے کی خواہش کا اظہار کیا، ان کے سائنسی مشیر ڈاکٹر عبدالسلام نے نہ صرف مخالفت کی، بلکہ اس بات پر بگڑ کر اور ناراض ہو کر لندن چلے گئے اور جناب بھٹو نے اس ڈر سے کہ کہیں وہ سارے راز دشمن کے سامنے اگل ہی نہ دے، اسکے دوستوں کے ذریعہ انہیں راضی کیا اور کہا کہ ملتان کانفرنس ایک سیاسی ڈرامہ تھا، اسی طرح ان کی سفارش پر بھرتی کیے گئے لوگوں نے بھی مخالفت کی، ان میں سے ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر عشرت عثمانی اور اس قماش کے دوسرے لوگ تھے۔ معروف دانش ور ڈاکٹر وحید عشرت لکھتے ہیں:

"مشہور قادیانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام نے بھی پاکستان دشمنی میں پاکستان کے ایٹمی پلانٹ کے راز حکومت امریکہ کو پہنچائے، جس پر جنرل ضیاء نے کہا کہ "اس کتیا کے بچے کو کبھی میرے سامنے نہ لانا، یہ امریکہ، برطانیہ اور یہودیوں کا گماشتہ ہے اور اسی لیے اسے نوبل انعام دیا گیا۔" (روزنامہ امت، کراچی، 8/جنوری 1998ء)

۞۞۞

امام احمد رضا کا پسندیدہ منظوم

چائے نامہ

سید غلام مخدوم مست

''سید شاہ غلام مخدوم نام مست تخلص تھا۔ قصبہ شہسرام ضلع شاہ آباد آرہ محلہ کرن سرائے مسکن تھا، والد ماجد سید عبدالرحیم اس قصبہ کے مشہور رئیس تھے۔ جناب مست نے علومِ ظاہری کی تکمیل جناب مولوی شوکت علی خاں مرحوم سے کی اور باطنی تعلیم اپنے جدّ امجد شاہ محمد عبدالکریم سے پائی...... ابتداء میں صوفی تخلّص کرتے تھے مگر جب آپ نے ایک دفعہ ''چائے نامہ'' لکھا اور جناب مولانا احمد رضا خان مرحوم ومغفور کے پاس بھیجا جسے مولانا ممدوح نے بہت پسند کیا اور آپ کو مستؔ خطاب دیا تو پھر آپ نے مستؔ تخلص اختیار کیا آپ اپنے معاصرین شعراء میں امتیاز وعزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ ۲۹ مئی ۱۹۵۵ء کو انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

یہ کس خورشید رد کی رونمائی کو نکلتا ہے؟
کہ سورج روزمرہ نور کے سانچے میں ڈھلتا ہے
زمیں کیا آسماں پر بھی حسیں رکھتے نہیں پاؤں
غرورِ حُسن سے اُوپر ہی اُوپر ماہ چلتا ہے

(تذکرہ مسلم شعرائے بہار۔ احمد اللہ ندوی)

چائے نامہ

منظورجو ابتدا ہے خامہ		لکھ دُو دِررقم سے ''چائے نامہ''
صوفی ہوں تو لُطف اور بھی ہو		چائے کا چمن میں دَور بھی ہو
کہلاتی ہے یہ شرابِ صوفی		پیتے ہیں اِسے جنابِ صوفی
دیکھو مترشّدین آئے		پینے کے لئے چمن میں چائے
حکمت کی نگاہ سے جو دیکھیں		خِلطوں کی طرح ہیں چار چیزیں
عنصر کی طرح ہیں چار اجزا		انسان کی طرح ہیں چار اجزا
کیلوس کی طرح پک رہی ہے		کیموں صفت مہک رہی ہے
شیرینی و شیر چائے پانی		چاروں ہیں نشاطِ زندگانی
پانی سے ہے اس میں جان آتی		ہے آگ سے یہ فروغ پاتی
خالق نے کیا ہے خاک سے پاک		ہوتی ہے ہوا سے چُست و چالاک
پاکیزہ لطیف نور ہے یہ		انسان نہیں تو حور ہے یہ
سونے کا ہے رنگ صاف ظاہر		اکسیر ہے صوفیوں کی خاطر
دل میں ہے عجب سرور دیکھو		آنکھوں میں بھرا ہے نور دیکھو
لذت میں ہے انگبین چائے		کہلاتی ہے یہ رنگین چائے
کیا نور جہاں ہے چائے کشمیر		مشہور جہاں ہے چائے کشمیر

لپٹن کی ہے پتیاں انوکھی		حُوروں کی ادا، پری کی شوخی
لپٹن کی چائے کی ہے کیا بات		سب کی ہے غرض جُدا جُدا بات
کوئی ہے پری تو حُور کوئی		نزدیک ہے کوئی دور کوئی
جب یاد پڑی جمائی آئی		انگڑائی پر انگڑائی آئی
کس درجہ ہے ان کا حُسن نمکیں		شیرینی ہے اس کی جان شیریں
ہے چاشنی بنات و شیر آج		لب چاٹتے ہیں جوان و پیر آج
سرخی تو کمال کر رہی ہے		تیزی بھی حلال کر رہی ہے
ہے آبِ بقا سفیدی شیر		ہو جائے جواں اگر چکھے پیر
جاڑے کا اگرچہ ہے مہینہ		حِدّت سے بدن میں ہے پسینہ
کھل جاتے ہیں جسم کے مسامات		ہو جاتے ہیں پاک بدبخارات
جمشید کو اس کی بوجولگ جائے		واللہ شراب سے قسم کھائے
چاء نوش بنے ہیں آج دولہا		صَر صَر کھڑی جھونکتی ہے چولہا
وہ شوخ ہے رنگِ زعفرانی		پھیکی ہے شرابِ ارغوانی
جی چاہتا ہے کہ دام لیجئے		پیسہ جو نہ ہو اُدھار پیجئے
دل میں ہے ہوس کہ یار جانی		آنکھوں سے کریں مگس رانی
رکھے ہوئے طشت ہیں بلوری		مجلس میں سماں ہے چھائی نوری

یاد رہے بلور کی پیالی		سانچوں میں ہے نور کے وہ ڈھالی
پوشیدہ ہے اس میں دُور کا بھید		ہے جام جہاں نمائے جمشید
منقوش دھری ہے چائے دانی		کیسی ہے بہار جاودانی
پھولوں میں ہے چار دن کو جوبن		اس کا ہے ہمیشہ رنگ و روغن
سُن سُن کے سماواروں کی آہٹ		ہوتی ہے بدن میں سنسناہٹ
کوئلہ جو ہے دیگداں میں ڈالا		کالے کا نصیب ہے اُجالا
شعلے کی طرح دہک رہے ہیں		پھولوں کی صفت مہک رہے ہیں
ڈالے ہیں جگر میں اس نے چھالے		دو گھونٹ پلا دے چائے والے
کی مستؔ پر تم نے کیا کرامات		مضمون نیا ہے اور نئی بات
یہ لال پری ہے رکھ کے دیکھو		باور جو نہ ہو چکھ کے دیکھو

مجبور ہوں میں زبان قاصر

خود دیکھ لیں اسکوپی کے ناظر

(ماہنامہ الرضا بریلی، جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ)

❁❁❁

جنوبی ایشیا میں اسلامی تاریخ کا سر عنوان سید علی ہجویری

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

ہمارا یہ خطہ، جس میں ہمارا وطن عزیز، دولتِ خداداد، اسلامی جمہوریہ پاکستان، واقع ہے، جسے لوگ برصغیر پاک و ہند بھی کہتے ہیں بلکہ صرف برصغیر [حالانکہ براعظم (Continent) کی نسبت سے اسے برعظیم (Sub-continent) کہنا چاہئے] اس خطے میں اسلامی تاریخ کا نقطۂ اول یا سرِ عنوان کس کو قرار دیا جائے؟ یہ ایک جائز اور معقول سوال ہے مگر اس کا جواب اگرچہ مشکل ہے تاہم اسے منصفانہ ہونا چاہئے۔

پہلی صدی ہجری کے اختتام پر عراق میں بنو امیہ کے نائب سلطنت (وائس رائے) حجاج بن یوسف کی ہدایت پر طارق بن زیاد بربری کی قیادت میں عرب اور بربر مسلمانوں پر مشتمل ایک لشکر ہسپانیا فتح کرنے کے لئے جبل الطارق کے دامن میں اترا تو یہ خطہ فتح ہوکر اسلامی اندلس بن گیا، دوسرا لشکر اسی حجاج کی ہدایت پر ہی محمد بن قاسم ثقفی کی قیادت میں عرب اور ایرانی مسلمانوں پر مشتمل تھا جو دیبل (کراچی) کی بندرگاہ کے قریب اترا تھا جس نے سندھ و ہند یا دوسرے لفظوں میں سندھ، پنجاب اور خیبر پختون خوا کا علاقہ، یا یوں کہہ لیجئے کہ موجودہ پاکستان کا علاقہ فتح کر کے دمشق کی عظیم اسلامی (اموی؟) خلافت کا حصہ بنا دیا تھا، یہ الگ بات ہے کہ مفتوحہ سندھ و ہند کا یہ علاقہ بھی تیسرا علاقہ تھا جو اندلس اور شمالی افریقہ کی طرح بغداد کی عباسی خلافت سے مکمل طور پر کٹ گیا تھا، البتہ بنو امیہ کے خاتمہ تک دوسرے تمام علاقوں کی طرح یہ پاکستان کا علاقہ بھی دمشق کی اموی خلافت سے کسی نہ کسی شکل میں وابستہ رہا(۱) تھا۔

محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ، ایک پرعزم، پرجوش اور ہنرمند جرنیل ثابت ہوا، اس

نے سترہ سال کی عمر میں ہی یہ فتح حاصل کی تھی اس لئے وہ تاریخ کا سب سے کم عمر فاتح جرنیل بن (۲) گیا۔ بن قاسم کے مفتوحہ علاقے کے لوگ چونکہ چھوت چھات اور صدیوں سے نافذ برہمن کی طبقاتی تقسیم کے نظام میں جکڑے ہوئے تھے اس لئے کچھ اسلامی اخوت ومساوات اور فکر وعقیدہ کی آزادی سے متاثر ہوکر اور کچھ بن قاسم کے ذاتی کردار اور حسن سلوک اور عدل وانصاف سے متاثر ہوکر خاصی تعداد میں اسلام میں داخل ہو گئے تھے مگر جلد ہی دمشق سے آنے والے اموی گورنروں کی مالیہ اور خراج کی وصولی پر زور دینے کی باتیں سن کر یا خود بلاد عرب اور سندو پنجاب میں فرقہ پرستی سے متاثر ہوکر (خصوصاً قرامطہ جیسے دہشت گرد فرقہ پرستوں سے تنگ آ کر) مقامی لوگ بددل ہونے (۳) لگے تھے، کیونکہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما کو چھوڑ کر بنو امیہ مجموعی طور پر کشور کشائی اور مال غنیمت جمع کرنے کے قائل حکمران تھے۔ سنٹرل ایشیا کی طرح جنوبی ایشیا میں بھی اکثر صوفیہ کرام اور اہل بیتِ عظام اسلام کی یاوری نہ کرتے تو سنٹرل اور جنوبی ایشیاء میں اسلام اور مسلمانوں کا حشر بھی سپین اور سسلی کے اسلام اور مسلمانوں کے انجام سے مختلف نہ ہوتا، اس لئے انصاف کی بات یہ ہے کہ بن قاسم جنوبی ایشیا میں اسلامی تاریخ کا نقطہ آغاز تو یقیناً ہیں مگر انہیں برِ اعظم جنوبی ایشیا میں اسلامی تاریخ کا سرعنوان کہنا مشکل ہے۔

ابومسلم خراسانی جیسے بہادر اور باتدبیر جرنیل کی قیادت میں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم) نے بنو ہاشم اور اہل بیت کے نام سے بنو امیہ کے خلاف ایران (عجم) اور خراسان (سنٹرل ایشیا) میں جو تحریک شروع کروائی تھی، اس نے جب بنوعباس کی خلافتی بادشاہت (یا بادشاہانہ خلافت) کی شکل میں اپنا اصل چہرہ دکھا دیا تو امت مسلمہ کے وہ حق پرست عناصر بہت مایوس ہوئے تھے جو ''یزیدی موروثیت'' کا تختہ الٹ کر اس کی جگہ حقیقی اسلامی شورائی جمہوریت (جس میں حکومت

اپنے قیام اور اپنی بقا میں بھی عوام الناس کی محتاج ہوتی ہے اور اس حکومت کے قیام اور بقا میں ہر فرد معاشرہ کی رضا و رغبت کے ساتھ ان کی آزادانہ رائے کا بھی عمل دخل ہوتا ہے خواہ اس کی شکل کوئی بھی ہو، اسے اب آپ صدارتی جمہوریت کہیں یا پارلیمانی جمہوریت کا تماشا!) کو واپس لانا چاہتے تھے۔ وہی نظام حکومت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت اور رحمت اور شورائیت سے قائم ہوا اور آپ کے خلفائے راشدین (بشمول پانچویں خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز) کی تدبیر، حکمت اور قربانی سے پروان چڑھا تھا۔

مگر اس عباسی انقلاب پر حقیقی اسلام اور اصل شورائیت کی روح کی بحالی کی امید رکھنے والے عناصر قطعی طور پر مایوس نہیں ہوئے تھے (قطعی مایوسی تو گناہ ہے) چنانچہ اہل بیت کرام اور اہل طریقت عظام کو بھی اسی خراسان اور ایران اور سنٹرل ایشیا میں ہی امید کی کرن نظر آئی تھی، یہ جو ثمر قند و بخارا، سنٹرل ایشیا اور خراسان میں سادات کرام اور اولیائے عظام کی کثرت نظر آتی ہے تو اس کا ایک سبب یہی تھا۔ ان علاقوں میں اہل بیت اور ان کے پیروکار اہل طریقت کی مساعی حمیدہ سے اسلام کو ثبات نصیب ہوا اور اسلامی ثقافت اور علوم نے بھی فروغ پایا لیکن ان بزرگوں میں سونے پر سہاگہ کے مصداق اور بہترین افراد تو وہ لوگ تھے جو بیک وقت اہل بیت میں سے بھی تھے اور اہل طریقت بھی تھے (جیسے سید ہجویری اور خواجہ اجمیر، رحمۃ اللہ علیہما)۔

بن قاسم کے بعد برصغیر پاک و ہند کی اسلامی تاریخ کے قاری کی نظریں پانچویں صدی ہجری کے صاحب عزیمت و کردار اور دلوں میں گھر کرنے والے عظیم و جلیل فاتح سلطان محمود غزنوی پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ ابھی ہم نے دیکھا کہ ہندوستان اور ہسپانیا کی اسلامی فتح میں ایک گہری مشابہت یہ ہے کہ ان دونوں، مشرق و مغرب کے خطوں میں، اسلام بیک وقت داخل ہوا تھا۔ ان دونوں خطوں میں بشابہت اور

مماثلت کی ایک صورت یہ بھی رہی کہ شام میں دریائے زاب کے کنارے بنوعباس کے بپھرے ہوئے لشکر نے جونہی آخری اموی خلیفہ محمد بن مروان الحمار کی گردن کاٹی تو مفتوحہ علاقہ مسلم ہندوستان اور مسلم ہسپانیا (اندلس) کے تحت خلافت بغداد سے ہمیشہ کے لئے کٹ جانے کا بھی تاریخ نے فیصلہ کر دیا تھا مگر ایک فرق (بلکہ عدم مماثلت ومشابہت کی ایک صورت کہنا شاید زیادہ مناسب ہو) یہ تھا کہ بن قاسم کے مفتوحہ علاقے اور عظیم اموی جرنیل مہلب بن ابی صغرہ (جس کے گھوڑوں نے لاہور اور کشمیر کے علاوہ خیبر پختونخواہ کے علاقہ بنہ (یا بنوں) کی سرزمین پر بھی قدم رکھے (۴) تھے) کی معرکہ آرائیوں کی جولانگاہ تو عرب مسلمانوں کی نظر سے اوجھل ہی ہوگئی مگر مسلم ہسپانیا کے لئے ایک اموی شہزادہ (جسے عباسی ابوجعفر منصور نے بجا طور پر صقرِ قریش یعنی قریش کا شاہین قرار دیا تھا یعنی عبدالرحمن بن معاویہ) نے عباسی سپاہیوں کی طرف سے تیروں کی بارش کے باوجود اسی دریائے زاب کو چیتے کی سی تیز رفتار سے تیر کر پار کر لیا تھا اور سب دیکھتے ہی رہ گئے تھے۔ پھر یہی عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام عراق، مصر اور مراکش کے جنگلوں اور کھیتوں کو عبور کرتا ہوا ہسپانیا میں داخل ہو گیا تھا اس لئے وہ عبدالرحمن الداخل کہلایا (۵) تھا۔

عباسی لشکری اس کا برق رفتار تعاقب بھی کرتے رہے تھے مگر اس نے انہیں جل دے کر براعظم افریقہ کو اسی طرح حیرت انگیز انداز میں عبور کر لیا جس طرح جرمن جرنیل رومیل نے فیلڈ مارشل منٹگمری کے چھکے چھڑا کر ''افریقی صحراء کی لومڑی'' کا خطاب پا لیا تھا مگر عبدالرحمن الداخل نے سپین میں ایک نئی اموی بادشاہانہ خلافت کی بنیاد بھی رکھی جو آٹھ سو سال تک کسی نہ کسی شکل میں قائم رہی، جس طرح مراکش کے حکمران برابطین اور پھر موحدین نے اندلسی معاشرہ اور حکومت کی گرتی ہوئی دیوار کو بار بار سہارا دیا اسی طرح خراسان و افغانستان کے غزنوی، غوری اور ابدالی بھی

ہندوستان کے مسلم معاشرہ اور حکمرانی کو بار بار سنبھالتے اور سہارا دیتے رہے مگر اسی خراسان ہی نے ہمیں سید ہجویر اور خواجہ اجمیر، رحمۃ اللہ علیہما جیسی ہستیاں بھی مہیا کر دیں جن کے صدقے آج بھی برصغیر میں اسلام باقی اور مسلمان بھی زندہ ہیں مگر اس کے برعکس مراکش یا شمالی افریقہ سے اندلس کے لئے ایسا کوئی ایک بھی اللہ کا بندہ نہ اٹھا تھا جو اسلام کو لوگوں کے دلوں میں اتارتا یا حکمرانی کی گرتی ہوئی دیوار کو مستقل بنیاد فراہم کرتا اور اگر کوئی گیا بھی تو یا وہ کوئی فلسفی تھا یا متشدد فقیہ تھا جو حکمرانوں (۶) میں گھل مل گیا۔ نتیجہ ظاہر ہے آج سسلی اور سپین میں نہ اسلام ہے نہ مسلمان!

اسلامی اندلس (مسلم ہسپانیا) اور اسلامی ہند کے درمیان یہ مماثلت اور مشابہت بھی خوب ہے اور ہماری جامعات کے اہل علم و دانش کو دعوت تحقیق دیتی ہے کہ جس طرح اسلامی مراکش کبھی مرابطین اور کبھی موحدین کی صورت میں مسلم ہسپانیا کو فاتحین و محافظین مہیا کرتا رہا اور جو سپین میں اسلام اور مسلمانوں کو نئی زندگی اور نیا رخ دینے کی کوششیں کرتے رہے مگر بات نہ بن سکی۔ اسی طرح اسلامی خراسان (اور پھر اسلامی افغانستان؟) اسلامی ہند کو بھی ایسے فاتحین مہیا کرتے رہے جو براعظم کی امت مسلمہ کے محافظ، خیر خواہ اور نہایت ہمدرد ثابت ہوتے رہے۔ ان خراسانی و افغانی مسلم اہل شمشیر نے ہمیشہ اسلام کو ایک نیا تاریخی موڑ دیا، ایک نیا رخ اور رستہ بھی سجھایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک نئی دنیا آباد کر کے مسلمانوں کو حوصلہ مند بنا دیا اور ایک روشن مستقبل کی امید اور نوید بھی ثابت (۷) ہوئے۔ تاریخ تو اپنے آپ کو دہرانے کی امید اور نوید بنتی رہتی ہے اور اب بھی یہ اپنے آپ کو دہرا سکتی ہے۔ تاریخ کو ایسا کرنے سے کوئی بھی باز نہیں رکھ سکتا۔ برہمن کی ''آریائی عیاری'' یا دھن دھونس دھاندلی بھی ایسا کرنے سے عاجز ہے۔

اگر بن قاسم برصغیر میں اسلامی تاریخ کا سرعنوان نہیں ہیں بلکہ نقطۂ آغاز ہیں تو پھر

کیا سلطان محمود غزنوی کو برعظیم میں اسلامی تاریخ کا سرعنوان قرار دیا جائے؟ کیونکہ بت شکن غزنوی نے یہاں چار ایسے کام کئے جو دوررس نتائج کے حامل ثابت ہوئے۔ ایک طرف تو اس نے اسلامی خراسان کو پھر سے ہندو امپائر کا حصہ بنانے اور غزنہ کی سلطنت سبکتگین کو راستے کا روڑا سمجھنے والے ہندو راجواڑوں کا دماغ بھی مستقل طور پر اور ہمیشہ کے لئے درست کر دیا تھا جس کے نتیجے میں خراسان سے تو حق پرست مسافر پے در پے ہندوستان میں آتے رہے مگر ہندوستان سے خراسان کا رخ کرنے کی کسی کو کبھی جرأت نہ ہوسکی۔ بن قاسم کے مفتوحہ علاقوں میں جو فساد مچا ہوا تھا اور قرامطہ جیسے مفسد اور دہشت گرد گروہ ان علاقوں کے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ اور بددل کرنے میں لگے ہوئے تھے، سلطان محمود غزنوی جو پوری اسلامی دنیا کو اپنی دہشت گردی کی لپیٹ میں لے لینے والے اس فسادی گروہ قرامطہ کا سنٹرل ایشیا اور عراق وعجم سمیت ہر جگہ ان قرامطہ کو نابود کر کے ''قرامطہ کش فاتح'' ثابت ہو چکا تھا اس نے سندھ اور ملتان سے بھی ان کا نام ونشان مٹا دیا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ خلیفہ بغداد کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے یمین الدولہ (یعنی عباسی خلافت کے دست راست) نے سومنات کے قریب سے گزرنے والے عربوں کے تجارتی قافلوں کے لئے بحری راستہ کو بھی محفوظ بنا دیا تھا بلکہ سومنات کے بڑے بت کو ریزہ ریزہ کر کے بحری قزاقوں پر بھی قیامت ڈھا دی اور ساتھ ہی اس کے برہمنوں کا دماغ بھی درست کر دیا تھا۔

سلطان کی اس قاہرانہ ضرب کاری سے نہ صرف ہندوستان کا گوشہ گوشہ لرز گیا تھا بلکہ اس ضرب ابراہیمی نے پوری دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا (بلکہ توحید کا ڈنکا بھی بجا دیا تھا) چنانچہ ''اس وقت کے دانا برہمنوں'' کی زبان سے ایسے ایسے الفاظ، جملے اور محاورے نکلے جن کی گونج عرب وعجم میں بھی سنائی دینے لگی تھی۔ یہ الفاظ اور یہ محاورے عربی اور فارسی میں ڈھل کر خلق خدا کی زبانی نقارۂ خدا بن کر رواں دواں ہو

گئے تھے۔عربی میں ڈھلے ہوئے یہ الفاظ اور محاورے حضرت داتا پیر نے بھی شام و عراق سے سنے تھے اور ان میں سے **بعض کو مرشد** لاہور نے کشف المحجوب کی زینت بھی (۸) بنا دیا ہے۔

چنانچہ **حضرت دات**ا صاحب نے کشف المحجو بمیں جنونِ محبت کی فسوں کاری پر بھی گفتگو فرمائی ہے، ہندو برہمن نے جب محبت کی گرفت اور فسوں کاری کی بات کرنا چاہی تو اس کی شدت اور طاقت کو عیاں کرنے کے لئے سلطان محمود غزنوی کی پکڑ دھکڑ اور گرفت کے سوا اسے کوئی اور قابل عبرت شدت و طاقت کا نمونہ بھی نہ مل سکا تھا اور یہ کہنے پر مجبور ہو گیا تھا (اور کسی عرب نے ہندو برہمن کی اس بات کو عربی زبان کا جامہ پہناتے **ہوئے کہا تھا کہ**) ''وَسَبْیُ الحبِ عندَ الھنودِ اَظہر من سَبْیِ محمودٗ'' یعنی ہندوؤں کے ہاں آتش محبت کی قید اور جلن تو محمود غزنوی کی پکڑ دھکڑ سے بھی زیادہ **قوی اور سخت گی** رہوتی ہے۔

کشف المحجوب میں اس عبارت کے اندراج سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ داتا پیر نہ صرف یہ کہ بت شکن غزنوی کی فتوحات پر نظر رکھے ہوئے تھے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ انہیں ان زخمی دلوں پر مرہم رکھنے کی فکر تھی جو سلطان کی ضرب کاری سے لرزاں تھے اور وہ ان زخمی دلوں کے لئے شفقت و رحمت محمدی، علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، کی مرہم مہیا کرنے کی فکر میں بھی تھے تا کہ ان کے زخم مندمل ہوں، خوف دور ہو اور اپنی رضا و رغبت سے اسلام کے حلقہ بگوش ہوں جیسا کہ وہ سنٹرل ایشیا کے صوفیوں کے کارنامے اپنے وسیع مشاہدات اور سیاحت کے دوران میں ملاحظہ فرما چکے تھے۔

سلطان محمود غزنوی کا چوتھا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے شہر لاہور کو غزنوی سلطنت کا ثانوی اور ہندوستان میں تاریخ کا پہلا اسلامی دارالحکومت بھی قرار دیا تھا۔ دراصل یوں قدرت ربانی سے راہ ہموار ہوئی تھی مرشد لاہور کی اپنی نگری میں تشریف آوری

کے لئے! چنانچہ حسن برنی کی اس رائے کی بڑی اہمیت ہے کہ ابوریحان البیرونی کو ہندوؤں کے قدیم علوم سے آگاہ ہونے کا موقع تبھی مل سکا تھا جب محمود ملتان اور لاہور کو فتح کر چکا تھا۔ اپنی سیاحت پاک و ہند کے دوران میں حضرت داتا صاحب نے بھی جہاں بن قاسم کے مفتوحہ علاقوں کے مسلمانوں کے حالات اور مسائل کا براہ راست مشاہدہ فرمایا تھا اور انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ بن قاسم جیسے نیک اور نوجوان فاتح کے بعد برسر اقتدار آنے والے لوگ یا دمشق سے تقرر حاصل کرنے والے حکام اور گورنر بھی ان حکام اور گورنروں سے مختلف نہ تھے جو اموی دور میں بلاد ماوراء النہر میں متعین کئے جاتے رہے تھے اور جو لوگوں کے قبول اسلام پر مالیہ اور خراج کی زیادہ مقدار کو ترجیح دیتے (۹) تھے اسی لئے لوگ ان مسلمان فاتحین کے چلے جانے کے بعد اپنے شہروں کے دروازے پھر سے ان پر بند کر لیتے تھے (اور یوں گویا فتح کے بعد انغلاق یعنی دروازے کھلنے کے بعد پھر سے دروازے مسلمانوں کے لئے بند بھی ہوتے رہتے تھے) مگر جب اہل بیت کرام اور صوفیہ عظام نے سنٹرل ایشیا کے ان لوگوں کو حقیقی روح اسلام اور مکارم اخلاق نبوی اور اسلامی اخوت و مساوات سے روشناس کرا دیا تو وہ لوگ بھی اسلام پر ثابت قدم اور پختہ عزم کے ساتھ جم کر عمل پیرا ہو گئے تھے، گویا حضرت داتا پیر تئیس سالہ عہد نبوی اور پھر خلفائے راشدین کے عہد سے پوری طرح آگاہ ہو کر حقیقی روحِ اسلام کو بھی سمجھ گئے تھے۔ اسی طرح انہیں سلطان محمود کے مفتوحہ ہندوستان کے لوگوں کے حالات اور انجام سے بھی آگاہی حاصل ہو چکی تھی اور یوں آپ نے بن قاسم اور غزنوی، دونوں کے مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کی پریشانیوں اور مشکلات کا اندازہ بھی لگا لیا تھا، اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ لاہور میں رہ کر نہ صرف علاقے کے لوگوں کے دلوں کو فتح کریں گے، انہیں حقیقی روح اسلام سے روشناس کریں گے بلکہ باقی ماندہ ہندوستان کے لوگوں کے لئے

بھی لاہور کو رہنمائی کا مرکز ومحور (قطب الارشاد) بنادیں گے۔

اس طرح حضرت مرشد لاہور کی اپنی نگری میں تشریف آوری سے لاہور سمیت تمام برصغیر کے لوگوں کو حقیقی روحِ اسلام سے شناسائی نصیب ہوئی اور وہ دارارقم مکہ مکرمہ اور پھر صفۂ مسجد نبوی مدینہ منورہ میں تزکیہ نفوس والی دعوت حق سے بھی آگاہ ہوئے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دین حق کی اصل روح شفقت ورحمت اور اہلیت و صلاحیت کا احترام ہے۔ محض طاقت واقتدار سے انسانوں کو مسلمان بنانا اور پھر انہیں دبا کر رکھنا یا مالیہ وخراج سے لوگوں کا استحصال کرنا اسلام کی روح کے قطعی خلاف ہے۔ اخوت اور مساوات ہی اسلامی معاشرہ کی حقیقی روح ہے۔ حکمرانی کا حق بھی جمہور مسلمین کی آزادانہ رائے سے وابستہ ہے۔ حکومت کا قیام اور بقا دونوں ہی عوامی تائید کے محتاج ہیں۔ موروثیت کی دھونس اور دھاندلی تو یزیدیت ہے جسے اہل بیت کرام اور صوفیہ عظام مسترد کرتے ہیں۔ جمہور عوام کی رائے اور تائید کے حصول کا ذریعہ اور عملی طریقہ کوئی بھی ہو، اس کی اصل صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ جمہور عوام کی رضا ورغبت کیا ہے؟ یہ صدارتی جمہوریت کی صورت میں ہو یا پارلیمانی جمہوریت یا کوئی تیسری شکل ہو، اس سے غرض نہیں۔ اصل غرض ہے کہ اہلیت وصلاحیت کے احترام وعدل و انصاف کی پیروی سے ہے۔ داتا پیر کی تعلیم بھی یہی ہے اور آپ کا ذاتی عمل و کردار بھی یہی تھا، اسی لئے تو مرشد لاہور نے کسی کو بھی اپنا جانشین مقرر نہیں فرمایا۔ آپ کے نزدیک قابل عمل و قابل تقلید نمونہ صرف اور صرف نظام مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کا اسلوب حیات اور نظام حکومت ہے۔ یہی نظام اور یہی اسلوب اور نظام شریعت بھی ہے اور طریقت (۱۰) بھی۔

سید علی ہجویری مرشد لاہور، رحمۃ اللہ علیہ نے برصغیر پاک وہند کے اولیاء اللہ اور اصحاب طریقت کے لئے جو عملی مثال اور نمونہ قائم فرمایا تھا بعد کے اولیاء اللہ نے اسے

ہی اپنایا۔ ولایت وسیادت کا معیار موروثیت نہیں صرف اور صرف اہلیت وصلاحیت قرار پائی اوراس کا فیصلہ جمہور کی اکثریت نے کرنا ہوتا ہے۔ ورثہ میں بھی اگر کسی اولاد ولی اللہ کو یہ اہلیت اور صلاحیت نصیب ہوجائے تو یہ تو سونے پر سہاگہ کے مترادف ہے لیکن موروثی آمریت یزیدیت کا دوسرا نام ہے۔قوموں اور انسانی معاشروں کے لئے سب سے بڑی نحوست اور بربادی کا سرچشمہ یہی موروثی آمریت رہی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ تو کسی نئے بادشاہی خانوادہ کی بنیاد رکھنے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے نہ آپ کی بعثت کا مقصد پھر سے لوگوں کو قبائلی نظام یا خانہ بدوشی کی زندگی کے سپرد کرنا تھا بلکہ آپ کو اخوت اور مساوات کا دین اسلام پہنچانے کے لئے تشریف لائے تھے (اور یہی بات حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس اموی گورنر کو سمجھائی تھی جو مالیہ وخراج کو لوگوں کے قبول اسلام پر ترجیح دینے کا قائل تھا) اور شورائی جمہوریت پر قائم ہونمانے کے لئے آئے تھے اور یہ تیسری نوع تھی اہلیت، صلاحیت کو اپنانا اور پھر اسی اہلیت وصلاحیت کی بنیاد پر ہی جمہور عوام کی آزادانہ رائے اور مشاورت سے معاملات طے کرنا، جو حقیقی اسلام کا طرۂ امتیاز ہے، اسی کو داتا نے اپنی تعلیم وعمل سے رواج دیا۔ یہی نمونہ تھا جسے بعد میں آنے والے چشتی بزرگوں نے بھی اپنایا۔ حضرت خواجہ اجمیر سے لے کر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہم تک تمام چشتی سلسلہ طریقت اسی معیار اہلیت وصلاحیت کا پابند رہا اور برصغیر کے مسلمانوں کو بھی ان چشتی بزرگوں نے یہی عملی پیغام دیا کہ اصل فلاح اور حقیقی بقا صرف اور صرف جمہور عوم کی آزادانہ رائے کا احترام ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے جب یہ کہا تھا کہ مسلمان تو اپنے دینی معاملات میں بھی جمہوری انداز رکھتے (۱۱) ہیں تو ان کے سامنے بھی حضرت داتا صاحب اور ان چشتی بزرگوں کے یہی عملی نمونے ہی ہوں گے جو ہمیں حقیقی روحِ اسلام سے میسر آئے

اوراسی جمہوری اصول پر پاکستان بھی قائم ہوا جس میں جمہوراور بےلوث قیادت ہی کا اصل کردار تھا اس لئے ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مرشد لاہور سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے برصغیر پاک وہند میں اسلام اور مسلمانوں کی وہ روایت بھی ایک امانت کے طور پر منتقل کر دی جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلافت راشدہ کے زیر سایہ ایک نظام عمل کی شکل میں انسانیت کو عطا ہوئی تھی مگر جسے یزیدی موروثیت نے روم و ایران کی شہنشاہیت کا رنگ دے دیا تھا لیکن سیدنا حسین بن علی، رضی اللہ عنہما، کی شہادت عظمیٰ نے اسے ٹھکرا دیا تھا اور جسے پھر اہل بیت کرام اور صوفیہ عظام نے ہمت وعزیمت کے ساتھ سنبھال لیا تھا۔ سید علی ہجویری کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے بتکدۂ ہند میں اسی حقیقی روحِ اسلام کی امانت کو صحیح وسلامت عام کر دیا۔ پھر حضرت خواجہ اجمیر سمیت چشتی صوفی بزرگوں نے اسے زندہ و پائندہ بنا دیا۔ اسی لئے حضرت داتا پیر ہی جنوبی ایشیا میں اسلامی تاریخ کا سرعنوان بننے کا حق رکھتے ہیں اور خواجہ اجمیر علیہ الرحمہ کا اپنا عمل اور اعلان بھی اس کی تائید کے لئے شاہد عدل ہے اور یہ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ نہ صرف برعظیم کی ملت اسلامیہ بلکہ تمام عالم اسلام کی کامیابی بھی اسی اصول کی پیروی میں مضمر ہے کہ اس اہلیت وصلاحیت کو ہی معیار مانا جائے جسے جمہور عوام کی آزادانہ تائید حاصل ہو۔ اگر واقعی اہل بیت اور حق پرست صوفیۂ عظام نے ''**وشاورهم فی الامر**'' (یعنی حکمرانی میں جمہور مسلمین سے مشاورت جاری رکھئے) والے نظام مصطفی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تحفظ اور بقاء کے اہتمام کو ہی اپنا نصب العین بنائے رکھا ہے (اور یقینا بنائے رکھا (۱۲) ہے!) تو پھر داتا پیر نے ہمیں عملی پیغام بھی یہی دیا ہے اور بلاشبہ دیا ہے جسے چشتی بزرگوں نے بھی پروان چڑھایا ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جنوبی ایشیا میں اسلامی تاریخ کا سرِ عنوان بھی یہی ایک ''خراسانی وافغانی عرب''! یہی سید زادہ ہی ہے جسے ہماری زبانیں ''سید علی ہجویری''

اور ''داتا پیر'' یا مرشدِ لاہور کہتے ہوئے راحت وسرور سے ہمکنار ہوتی ھیں۔

رحمۃاللہ ورحم اخوانہ الصوفیۃا لکرام!

حوالے اور حواشی

۱۔ الکامل لا بن الاثیر ۶/۷۷، محاضرات ال خ ضری ۱/۱۲۳، تاریخ الاسلام الس ی اسی ۳/۵۱۱۔

۲۔ الأعلام للزرکلی ۷/۳۱۳۔

۳۔ شیخ ابوالفضل ختلی ص ۳۲۔۳۴، تاریخ الیمینی ص ۲۱۶۔

۴۔ ایضاً۔

۵۔ فتوح البلدان ۲/۳۱۵، الکامل لا بن الاثیر ۶/۷۹، تاریخ ادبیات ۲/۱۳۳۔

۶۔ ال ط بری ۳/۱۲۴، نفح ال طیب ۱/۱۲۵، افتتاح الاندلس ص ۱۱۴۔

۷۔ تاریخ الیمینی ص ۲۷۵ الفرق بین الفرق ص ۳۷، مقالات الاسلامیین ص ۱۲۸۔

۸۔ کشف عابدی ص ۲۵۲، ۲۵۳۔

۹۔ شیخ ابوالفضل الحث ل ی ص ۳۲

۱۰۔ الحکم المطلق فی القرن العشرین للعقاد ص ۲۳، مرآۃ الاسلام ص ۱۱۵۔

۱۱۔ قائداعظم کے بیانات وتقاریر۔

۱۲۔ سید ہجویر از مولانا محمد متین ہاشمی ص ۳۷۔

❁❁❁

مفسرین اہلسنت کی عربی تفاسیر

مولانا محمد رضوان طاہر فریدی

قرآن القرآن: یہ قرآن پاک کی نہایت اعلیٰ تفسیر ہے مناقب المحبوبین کے فاضل مصنف نے اس کو جلالین کے ہم پایہ بتایا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ شافعی مذہب کی ہے یہ حنفی کی، اس تفسیر کے مصنف سلسلہ چشتیہ کے بزرگ حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی ہیں جو کہ تدریس بھی کرتے تھے ان سے کثیر طلباء نے استفادہ کیا، درس حدیث سے خاص لگن تھی تاریخ ولادت ۲۴ جمادی الثانی ۱۰۶۰ھ اور تاریخ وفات ۲۶ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ/ ۱۷، اکتوبر ۱۷۲۹ء ہے۔(تاریخ مشائخ چشت، صفحہ ۲۹۱)

السلسبیل فی تفسیر التنزیل: یہ تفسیر بھی جلالین کی طرز پر لکھی گئی ہے غزالی زماں علامہ احمد سعید کاظمی اس کے متعلق فرمایا کرتے تھے اگر مدارس عربیہ میں شامل ہوجائے تو خوب رہے گا، اس کا ایک خطی نسخہ سلیمانی تونسہ شریف میں موجود ہے۔ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے شعبہ عربی کے پروفیسر شفقت اللہ نے اس کتاب پر پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔اس تفسیر کے مصنف علامہ عبدالعزیز پرہاروی ہیں جن کی ولادت ۱۲۰۶ھ/ ۱۷۹۲ء کو بستی پرہاراں ضلع مظفر گڑھ میں ہوئی، آپ کو علم لدنی حاصل تھا اللہ تعالیٰ نے ۲۷۳ علوم و فنون میں کامل دسترس عطا کی تھی ایک قول کے مطابق آپ کی تصانیف کی تعداد تین سو سے زائد ہے آپ حافظ جمال اللہ ملتانی کے شاگردوں میں سے تھے سن وصال ۱۳۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء ہے۔(ماخوذ از۔احوال وآثار علامہ عبدالعزیز پرہاروی)

تفسیر مظہری: اس مشہور تفسیر کے مصنف قاضی ثناء اللہ پانی پتی ہیں جو کہ بڑے

علامہ، فہامہ، فقیہ، عارف باللہ، متبع شریعت وسنت اور علوم ظاہر و باطنی میں یگانہ روزگار تھے مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی آپ کو بیہقی وقت اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں علم الہدیٰ کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے ۱۱۴۵ھ یا ۱۱۴۳ھ کو پانی پت کے علاقہ میں ولادت ہوئی، آپ بڑے ذہین تھے سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا اور سولہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے، زمانہ طالب علمی میں درسی کتب کے علاوہ مختلف فنون کی ۱۵۰ کتب کا مطالعہ کیا۔ آپ کی یہ تصنیف ۷ ضخیم مجلدات میں ہے اس کا فارسی ترجمہ بھی چھپ چکا ہے آپ حضرت مرزا مظہر جاناجاناں کے دست اقدس پر شرف بیعت حاصل کیا تھا اور انہی کے نام پر اس تفسیر کا نام تفسیر مظہری ہے۔ دیگر تصانیف میں

مالابدمنہ

تذکرۃ الموتی والقبور

سیف مسلول، شامل ہیں۔ ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء کو اس دار فانی کو خیر آباد کہتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جاملے اور پانی پت میں ہی مدفون ہوئے۔

(ماخوذ از۔ فقہ اسلامی، صفحہ ۱۳۰ وغیرہ)

اس تفسیر پر فقیہ اعظم مولانا مفتی نوراللہ نعیمی نے حاشیہ لکھا ہے۔

(حیات فقیہ اعظم، صفحہ ۳۳)

تفسیر قرآن: حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے خلیفہ مفتی محمد باقر لاہوری اس کتاب کے مؤلف ہیں آپ باکمال عالم، صوفی، مفسر، مؤلف اور مفتی تھے بادشاہ اورنگزیب کی تربیت کے لیے ایک عرصہ تک ان کے دربار میں حاضر ہوتے رہے بعد میں بادشاہ نے آپ کو لاہور کو مفتی مقرر کر دیا تھا۔ ۱۱۰۹ھ میں وصال فرمایا اور لاہور میں ہی دفن ہوئے دیگر تالیفات میں اسی تفسیر پر حاشیہ اور شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں۔

تفسیر انوری: شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری مخدوم جہانیاں کی اولاد میں سے تھے

فنافی الشیخ وفنافی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب پر فائز تھے جب دوسری مرتبہ حج کیا توحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دوبارہ دہلی میں آ کر قیام کیا اور یہیں ۹۳۲ھ میں وصال فرمایا اور اپنے شیخ عبداللہ قریشی کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں اکثر بلکہ تمام قرآن کی تفسیر تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت وتوصیف سے کی ہے اوراس میں بہت سے دقائق عشق اور اسرار محبت کو جمع کیا ہے ۔شیخ صاحب نے اس تفسیر کے چند اقتباسات بھی دیئے ہیں۔(اخبارالاخیار،صفحہ ۵۲۸)

کاشف الحقائق وقاموس الدقائق: حضرت مولانا شیخ احمد بن محمد تھانیسری،نوی صدی ہجری کے مشہور فقہیہ، ادیب، شاعر،مفسر اور شیخ طریقت تھے۔آپ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی چشتی کے مرید وخلیفہ تھےعلوم ظاہری کے علاوہ علوم باطنی میں بھی بڑے فضل وکمال کے مالک تھے۔(اخبارالاخیار،صفحہ ۲۷۳) یہ تفسیر صوفیانہ طرز کی ہے اس کی زبان و بیان سادہ اور عام فہم ہے مؤلف نے وجہ تالیف بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اکثر کتب تفسیر صرف شریعت وعربیت کے مطالب پر مشتمل ہے کوئی تفسیر بھی ایسی نہیں جو طریقت وحقیقت کی باریکیوں کو بیان کرے لہذا میں نے ارادہ کیا کہ ایک ایسی تفسیر لکھوں جو الہیات کے اسرار و رموز پر مشتمل ہو۔اس کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال،کلکتہ کے کتب خانے میں ہے(نمبر ۲۰،A.E) بحوالہ زبید احمد،ص ۲۷۳)

(ماخوذ از،تذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند،صفحہ ۳۵ تا ۳۴)

تفسیر عزیزی: اس تفسیر کے مصنف مولانا قاضی عزیز اللہ مٹیاروی ہیں جو کہ تفسیر، حدیث،فقہ،تصوف،معقولات ومنقولات میں مہارت رکھتے تھے آپ اس تفسیر کومکمل نہ کرسکے اور آپ ہی سندھ میں پہلے عالم دین ہیں جنہوں نے قدیم عربی رسم الخط میں

قرآن مجید کا سندھی نثر میں ترجمہ مکمل کرنے کا شرف حاصل کیا، آپ کی ولادت ۱۱۹۳ ھ/ ۱۷۹۹ء میں حیدرآباد سندھ میں ہوئی، خواجہ محمد حسن صدیقی مدنی سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے وفات سے کچھ عرصہ پہلے آپ نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا جو کہ نورانی صورت اور سفید لباس میں ملبوس تھے، انہوں نے آپ کو فرمایا آپ میری کتاب صدق دل سے پڑھتے ہیں اور فلاں فلاں مقام پر آپ کو باتیں سمجھ میں نہیں آئیں ان کی حقیقت یہ ہے، اس کے بعد ان بزرگ نے اپنا نام ابن عربی بتایا اور اسلام کر کے جلدی چلے گئے۔ آپ کی تاریخ وصال ۷ شعبان المعظم ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۶ء ہے۔

(انوار علمائے اہلسنت سندھ، صفحہ ۴۳۳)

لغات القرآن: یہ قرآن مجید کے مشکل الفاظ کی آسان عربی زبان میں تفسیر ہے اس کتاب کے مصنف جلیل القدر عالم دین حضرت خواجہ محمد حسن جان فاروقی مجددی ہیں ۶ شوال ۱۲۷۸ھ /۱۶، اپریل ۱۸۶۲ء کو حضرت خواجہ عبدالرحمن کے گھر قندھار افغانستان میں آپ کی ولادت ہوئی اپنے والد ماجد سمیت مختلف بزرگوں سے علوم اسلامیہ حاصل کیے، حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور شیخ سید احمد ذینی دخلان مکی سے درس حدیث لیا۔ آپ صبر و رضا کے پیکر، اتباع شریعت، سادگی اور اخلاق حمیدہ میں بے مثل تھے علوم دینیہ کو بہت اہمیت دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے قرآن وحدیث میں جو فضائل علم وارد ہیں وہ صرف علوم دینیہ سے متعلق ہیں، سندھ میں جب فرقہ وہابیہ نے سر اٹھایا تو اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کے رد میں کتب تصنیف کیں، انگریزوں کے حملہ افغانستان پر آپ نے ان خلاف اپنے والد ماجد کے ساتھ جہاد کیا، جنگ بلقان اور اطالیہ کے طرابلس پر حملے کے موقع پر معتقدین اور سند کے مسلمانوں سے خطیر رقم اکٹھی کر کے ہلال احمر کے ذریعہ مجاہدین کے لیے بھجوائی، آپ کانگریس لیڈروں سے ہمیشہ دور رہے اور تحریک پاکستان کے

سلسلے میں مسلم لیگ کی بھرپور امداد کی ،مریدین اور باا ثر لوگوں کو مسلم لیگ کو ووٹ ڈالنے اور حمایت کرنے کا حکم دیا۔بعض دیگر کتب کے اسماء یہ ہیں۔

۱۔انساب الانجاب ۲۔الاصول الاربعہ فی تردید الوھابیہ

۳۔العقائد الصحیحہ ۴۔رسالہ تھلیلیۃ ۵۔طریق النجاۃ

آپ قندھار سے سندھ میں آ بسے تھے جہاں ۲ رجب ۱۳۶۵ھ / ۲ جون ۱۹۴۶ء کو وصال فرمایا اور کوہ گنجہ مضافات حیدرآباد میں والد ماجد کے مزار کے پہلو میں محوخواب ہوئے۔(ماخوذ از۔تذکرہ اکابر اہلسنت،صفحہ ۴۴۵)

تفسیر غرائب القرآن: شیخ نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری آٹھویں صدی ہجری کے ممتاز عالم،صاحب تصانیف اور علم ہیئت، ریاضی، فلسفہ، تصریف اور تفسیر کے ماہر تھے انہوں نے غرائب القرآن کے نام سے قرآن مجید کی تفسیر لکھی جس کا اصل ماخذ تفسیر کبیر تفسیر کشاف ہے یہ تفسیر ایران اور مصر سے تفسیر طبری کے حاشیہ میں طبع ہوئی ہے، ہندوستان کی سرزمین پر سب سے پہلی لکھی جانے والی عربی تفسیر یہی ہے۔اس کے علاوہ مصنف کی تفسیر قرآن پر ایک اور کتاب لب التاویل بھی ہے۔

تفسیر ملتقط: صوفیانہ طرز پر لکھی گئی یہ تفسیر مشہور صوفی بزرگ حضرت سید محمد بن یوسف حسینی گیسودراز کی ہے جس کے قلمی نسخے انڈیا آفس کی لائبریری اور ناصریہ کتب خانہ لکھنو میں موجود ہیں۔حضرت سید گیسودراز کی تفسیر پر دوسری خدمت تفسیر کشاف پر حواشی ہیں۔

فضل المنان: اس کا پورا نام "فضل المنان فی تفسیر القرآن" ہے یہ مصنف کتب کثیرہ ،مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد فیض احمد اویسی کی تصنیف ہے اس کے متفرق اجزاء مختلف جگہوں سے شائع ہوئے تھے البتہ اب یہ مکمل تفسیر دبئی سے طبع ہونے جارہی ہے۔نا صرف برصغیر میں کئی صدیوں بعد کوئی مکمل عربی تفسیر لکھی گئی

ہے بلکہ عصر حاضر میں یہ اہلسنت کے صیح تشخص کو عرب میں متعارف کروانے کے سلسلہ میں بھی اہم کاوش ہے۔

تبصیر الرحمن: اس کا پورا نام "**تبصیر الرحمن وتیسیر المنان بعض ما یشیر الی اعجاز القرآن**" ہے جو کہ ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں طبع ہو چکی ہے۔ یہ شیخ علاؤالدین علی بن احمد مہائمی کی تالیف ہے شیخ زبردست عالم دین، ولی کامل اور معاصرین میں نمایاں حیثیت کے حامل تھے اپنے پیچھے کئی یادگار کتب چھوڑیں۔ مولانا فقیر محمد جہلمی ان کے متعلق لکھتے ہیں جامع علوم ظاہری و باطنی، فقیہ، محدث، مفسر، صاحب تصانیف عالیہ تھے سن وصال ۸۳۵ھ ہے۔

(حدائق الحنفیہ، صفحہ ۳۱۷)

انوارالاسرار فی حقائق القرآن: یہ تفسیر شیخ عیسی بن قاسم سندھی کی ہے شیخ گیارہویں صدی ہجری کے صاحب علم وفضل مشائخ میں سے ایک ہیں، درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور عبادات و ریاضات میں مشغول رہتے تھے۔ سن ولادت ۹۶۲ھ اور سن وفات ۱۰۳۱ھ ہے۔

(تذکرہ صوفائے سندھ، صفحہ ۱۵۶)

تفسیر محمدی: یہ شیخ محمد حسن چشتی احمد آبادی گجراتی کی تالیف ہے شیخ علوم ظاہر و باطن میں یگانہ روزگار تھے بچپن میں ہی کمالات حاصل کر کے اپنے باپ کے سامنے شہرہ آفاق ہوئے تاریخ وصال ۲۸ ذیقعدہ ۹۸۲ھ/ ۵۔۱۵۷۴ء ہے۔ (تذکرہ علماء ہند، صفحہ ۴۰۴)

منبع عیون المعانی: یہ تفسیر شیخ مبارک بن خضر ناگوری کی ہے آخری عمر میں شیخ کی بصارت کمزور ہو چکی تھی حافظ کی مدد سے اپنے شاگردوں کو لکھواتے جاتے اور وہ لکھتے جاتے اس طرح اس تفسیر کی ۵ مجلدات تیار ہو گئیں۔ شیخ کا سن وفات ۹۱۱ھ

اور وفات ۱۰۰۱ھ ہے۔

(انظر، تذکرہ علماء ہند، قاموس المشاہیر، حدائق الحنفیہ، ماثر الکرام)

زبدۃ التفاسیر: شیخ معین الدین بن خواجہ محمود نقشبندی کشمیر کے علماء کبار اور مشائخ نامدار میں سے تھے اتباع شریعت و ترویج سنت و ترفیع بدعت اور زہد و ورع و تقوی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ ۱۰۸۵ھ میں وفات پائی۔ (حدائق الحنفیہ، صفحہ ۴۷۴)

ان کی یہ تفسیر خوش خط میں محفوظ ہے اور اس کے قلمی نسخے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ،کیمبرج یونی ورسٹی، ٹونک اور پٹنہ کے کتب خانوں میں محفوظ ہے۔

شیخ کی ایک دوسری تفسیر شرح القرآن فارسی میں بھی ہے۔

زبدۃ التفاسیر للقد ماء المشاہیر: یہ تفسیر شیخ الاسلام بن قاضی عبدالوہاب گجراتی متوفی ۱۱۰۹ھ کی ہے۔ موصوف پابند شریعت و متبع سنت اور صاحب ورع تھے علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور نیک خصلت بزرگ تھے۔ اس تفسیر کا ایک قلمی نسخہ رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔

ثواقب التنزیل: یہ شیخ علی اصغر بن شیخ عبدالصمد قنوجی کی جلالین کی طرز پر لکھی گئی مختصر تفسیر ہے مولانا فقیر محمد جہلمی لکھتے ہیں بلاغت و متانت میں اس (جلالین سے) احسن ہے

شیخ علی اصغر، تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم عقلیہ و نقلیہ میں وحید العصر، فرید الدہر اور تصوف و سلوک میں امام وقت تھے سن پیدائش ۱۰۵۱ھ جبکہ سن وفات ۱۱۴۰ھ ہے۔ (حدائق الحنفیہ، صفحہ ۴۹۱)

کتب خانہ رام پور میں اس کتاب کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

۞۞۞